ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

## ہماری جماعت تہجد کو لازم پکڑے

''ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کرلیں۔ جو زیادہ نہیں وہ دو ہی رکعت پڑھ لے کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقع بہر حال مل جائے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہے۔ جب تک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو اُس وقت تک ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہوسکتا ہے؟ پس اس وقت کا اُٹھنا ہی ایک درِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دُعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار اور قبولیت دُعا کا موجب ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر اُٹھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دور کردیتی ہے۔ لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔'' (ملفوظات جلد دوم)

# پیغام عید الفطر

## حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

پاکستان کی اندرونی اور بیرونی جماعتوں کے احباب کو میں پیغام صلح کی وساطت سے عید مبارک کا پیغام دیتا ہوں۔
اس سال رمضان جون کے ماہ میں آنے کی وجہ سے کچھ مقامات پر شدت کی گرمی کے ایام میں لوگوں نے روزے رکھے۔
ان میں بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے۔
اس ماہ میں میں اللہ تعالیٰ کا معجزہ سمجھتا ہوں کہ ایک طرف عمر کی انتہاء اور دوسری طرف گرمی کی شدت اور طویل دورانیہ اور پھر روزہ رکھ لینا ممکن ہوجانا۔ روزے دار یہ پیاس اور بھوک اللہ کی خوشنودی کے لئے برداشت کرتا ہے۔ اور اس کے حکم کے مطابق وہ تمام عمل کرتا ہے جو روزے کا مقصد یعنی متقی بننا حاصل کرنے کو ممکن بناتا ہے۔
اس روحانی عمل سے انسان اپنے اندر ایک ایسی طاقت پاتا ہے جس سے وہ ایک خاص سکون اور لذت محسوس کرتا ہے۔
قرآن کی تلاوت کرنے سے اس کے دل و دماغ پر اچھا اثر پڑتا ہے اور اُسے یہ سکون حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ایسے بسر کررہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

عید کے لفظی معنی بار بار لوٹ کر آنے والی خوشی کے ہیں۔ روزے رکھنے کی وجہ سے جو روحانی خوشی ہمیں حاصل ہوئی اُسے ہمیشہ اپنی زندگی کا حصہ بنانے میں اگر ہم کامیاب ہوجاتے ہیں تو یہ ہماری اصلی خوشی ہے جو بار بار اور ہمیشہ رہے گی وہ ہم حاصل کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت دے کر جو قربِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا احساس ہمیں رمضان میں ہوا اُسے ہم اپنی عبادات اور قرآن کے احکامات پر عمل کر کے جاری رکھ سکیں اور یہ عید الفطر ہمارے لئے ایک نئی اور کامیاب زندگی کا آغاز ثابت ہو۔ آمین

**سب کو عید مبارک۔**

انتخاب از: عامر عزیز (امام برلن)

# آؤ مل کر تنہائی میں سجدے اور آنسو بہائیں

## (امیر مرحوم حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی تہجد خواں احباب سے ایک درد بھری اپیل)

پانچ وقت کی نمازوں میں تو سجدے کئے ہی جاتے ہیں۔ایک سجدہ تنہائی کا ہوتا ہے، جب کہ بندہ کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا۔اور جس کی حضرت نبی کریم صلعم نے بھی تاکید فرمائی ہے یعنی نماز تہجد۔اس وقت ان لوگوں میں سے جو جماعت کے اندر شامل اور تہجد کے عادی ہیں کم از کم چالیس دوست چاہتا ہے (زیادہ ہو جائیں تو بہت اچھی بات ہے) جو رات کے وقت جب کہ تمام دنیا پر تاریکی چھائی ہوتی ہے اور ساری کائنات خاموش ہوتی ہے مسلسل دعائیں۔کرنے کے لئے تیار ہوں۔یہ ایک قسم کی امداد ہے جس کی درخواست میں اپنے دوستوں سے کرتا ہوں۔ایک اجتماع یہ ہوتا ہے کہ کچھ آدمی ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں لیکن اگر کچھ افراد ایک ہی کام ایک ہی وقت میں کریں تو یہ بھی اجتماع ہی کہلاتا ہے خواہ وہ ایک دوسرے سے پانچ سو میل یا اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر ہوں۔ہمارا اجتماع بھی اس قسم کا ہوگا اس غرض کے لئے صبح صادق سے ایک گھنٹہ پیشتر کا وقت موزوں ہوگا۔۔۔

## تہجد کے وقت کیا دعائیں کی جائیں

جو دوست اس کام میں ساتھ دینا پسند کریں وہ تہجد میں خاص طور پر دعا کریں کہ:

(۱) اے اللہ تو دیکھتا ہے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں تیرے دین کے لئے اور تیرے اور تیرے رسولؐ کا نام بلند کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔اس میں ہماری کوئی دنیوی غرض نہیں تو ہمیں اس کام کو انجام دینے کی توفیق اور اس کے لئے سامان عطا فرما۔

(۲) اس کام میں جو لوگ ہماری مخالفت کر رہے ہیں ان کو ہدایت اور سمجھ دے۔دراصل یہ لوگ لاعلمی کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں جس وقت ان پر حقیقت ظاہر ہوگئی۔اس کے بعد یہ مخالفت جاری نہیں رہ سکتی ہے۔

(۳) ہمارا مقابلہ ایک بہت بڑی قوم سے ہے۔جس کا اثر اور تہذیب ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔اور سچی بات یہی ہے کہ عیسائیت اور مغربی اقوام کے مقابلہ میں ہماری ظاہری حیثیت کچھ بھی نہیں۔اگر کوئی خدا کا بندہ اُٹھتا ہے اور پانچ ہزار انگریزی ترجمہ قرآن کے نسخے تقسیم کرتا ہے۔تو ہم بڑی بات سمجھتے ہیں۔لیکن میں نے حال ہی میں ایک رپورٹ میں پڑھا ہے کہ گذشتہ سال صرف ملک چین میں ایک کروڑ دس لاکھ بائیبل کے نسخے تقسیم کئے گئے! ایسے زبردست دشمن کے مقابل پر ہمیں صرف خدا کا فضل ہی غالب کر سکتا ہے۔ہمیں تہجد کے وقت رو رو کر اس فضل کو مانگنا چاہیے۔

(۴) قادیانی دوستوں کے لئے بھی دعا کی جائے کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔اور وہ غلو سے باز آئیں۔کیونکہ ان کے غلو نے دین کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔(ماخوذ از خطبہ جمعہ ۸ فروری ۱۹۲۵ء)

# خطبہ جمعۃ المبارک

## برموقع ''رمضان المبارک'' فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

### بمقام جامع دارالسلام، مورخہ 2018-06-02 بمطابق 17 رمضان 1439 ہجری

**ترجمہ: اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔**

**''سب تعریف اللہ کے لئے ہے، تمام جہانوں کے رب، بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔'' (سورۃ الفاتحہ)**

میں نے سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ آیت 185 کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہے:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**ترجمہ: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُتارا گیا لوگوں کے لئے ہدایت کی اور حق اور باطل کو الگ کر دینے کی کھلی دلیلیں ہیں''۔**

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا ہے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں اس سال پھر یہ ماہ نصیب ہوا اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادات اور ہماری دعائیں جو ہم اس ماہ میں کریں ان کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

قرآن کریم میں لفظ ''قرآن'' کو خود اللہ تعالیٰ نے اس مبارک کتاب کے لئے منتخب کیا ہے۔ باقی صحیفوں میں اُن کے نام نہیں آتے۔

## لفظ قرآن کے مختلف معانی

قرآن کا مادہ ق۔ ر۔ ا ہے جس کے مختلف معنی ہیں۔ پہلے معنی جمع کرنے کے ہیں اور یوں قرآن میں الفاظ کو جمع کر کے آیتیں اور پھر آیتوں کے جمع کرنے سے سورۃ اور پھر سورتوں کو جمع کر کے قرآن بنا۔ جب قرآن کا نزول 23 سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے مکمل ہوا تو وہ ایک جمع شدہ کتاب بن گئی۔ اور قرآن کے شروع میں **ذالک الکتاب** کہا جس کا ہم عربی سے ترجمہ کریں تو ''وہ کتاب'' ہے جس میں پیشگوئی بھی ہے کہ وہ کتاب جو اب نازل ہونا شروع ہوگئی وہ مکمل پذیر ہوگی۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی سچائی، رسول کریم صلعم کی سچائی اور قرآن کریم کی صداقت ثابت ہوتی ہے کہ ایک چھوٹی سی چند وحیوں کے بعد اس کو کتاب کہہ دیا گیا اور پھر اُس نے پیشگوئی کے مطابق کتاب کی صورت اختیار کی۔ اس میں جتنی جمع شدہ آیات ہیں اُن کو آپس میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق نبی کریمؐ نے ترتیب دی اور جس ترتیب سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اس کتاب کی سورتوں کو رکھا گیا اُس میں بھی ایک ربط پایا جاتا ہے۔ جمع کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں تمام پچھلی نازل ہونے والی کتب کی تعلیم کا نچوڑ بھی ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ ہر ایک مذہب کی بہترین تعلیم اس میں اللہ تعالیٰ نے پیش کر دی اور بہت سے علوم کو بھی جمع کر کے شامل کر دیا۔ ان میں ایسے علوم بھی ہیں جن کی بنیاد پر آج کے جدید سائنسدان دریافت اور ثابت کر رہے ہیں کہ آج سے چودہ سے زائد سو سال پہلے اس کا قرآن میں ذکر ہو چکا ہے۔ خلاء کو آپ لے لیں، سیاروں کی گردش کو لے لیں، انسان کی تخلیق کے مراحل کو لے لیں۔ جو خردبین کے بننے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مرحلہ کو قرآن کے اندر بتا دیا اور اس طرح بہت سے علوم کی بنیاد قرآن میں ڈال دی گئی۔ جنہوں نے اس پر غور کیا اور فائدہ اٹھایا اُن کے لئے یہ کتاب رہنما بنی۔

دوسرے معنی جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے وہ عبرانی زبان سے ماخوذ ہیں،اس کا مطلب اعلان کر دینا ہے یعنی کہ قرآن ایک اعلان کی صورت میں آیا۔ عبرانی زبان سے ماخوذ الفاظ کی تشریح یوں ہے کہ اعلان کر دو کہ یہ وحی اللہ کی طرف سے ہے جس نے تمہیں تخلیق کیا ہے اور کیونکہ اس آیت کے نزول کے ذریعہ حضرت محمد صلعم کو نبوت کے اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازا گیا۔تو معنی ہوئے کہ:

''یہ بھی اعلان کر دو کہ اب نبوت کا وہ سلسلہ اور اُس نبی کا انتظار جس کی پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی کہ وہ نبی احمدؐ آئے گا۔وہ مکمل ہو گئی ہے۔

## تلاوت اور ترتیل کے تعلق کا مفہوم

تیسرے معنی اقراء کے پڑھنا کے ہیں اس میں قرآن کے پڑھنے کا ذکر آجاتا ہے۔اور حکم البقرہ کی آیت میں ہے کہ:

''جن لوگوں کو یہ کتاب (قرآن کریم) دی گئی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔'' تلاوت کا حق صرف پڑھنے کا نام نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کا نام بھی ہے۔حق کہتے ہیں ایسے کرنا جیسے کرنا چاہیے تو تلاوت کا تو کوئی ایک سا طریقہ ایسا نہیں جس پر ہر قاری عمل کرتا ہو۔اس کو ترتیل کے ساتھ یعنی آہستہ آہستہ پڑھنے کا حکم ہے۔ترتیل وہ طریقہ ہے جو رسول کریم صلعم نے اپنایا اور تجوید وہ ہے جو علماء نے سکھایا کہ قرآن خوش الحانی سے پڑھا جائے۔ترتیل سوچ کر،سمجھ کر،تلاوت چاہتی ہے۔اس کو اپنے دل میں اتار کر،سمجھ کر اور اس پر عمل کر کے اور پھر اس کی تعلیم سے اپنی زندگیوں کو سنوار کے پھر ان سنواری ہوئی زندگیوں کو ایک نمونہ بنا کر دنیا کے آگے پیش کرنا چاہتی ہے۔

خلق عظیم جو رسول کریم صلعم نے پایا وہ اس قرآن پر عمل کر کے پایا۔ حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی صدی نہیں آئی کہ جس میں مثالیں نہ ملتی ہوں کہ اس میں ایسے لوگ نہ ہوں جنہوں نے قرآن پر عمل کیا،اس کی تلاوت کا حق ادا کیا اور انہوں نے وہ مقام نہ پایا جس کے لئے انسان کو بنایا گیا۔آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ اب بھی ممکن ہے۔آج بھی جو قرآن پر عمل کرے گا وہ اس مقصد کو حاصل کرلے گا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی اور قرآن کا مکمل اتباع کرنا رسول کریم صلعم کے لئے نازل ہوا اور سب ماننے والوں کے لئے بھی۔

اقراء کے مطابق آپ دیکھیں تو قرآن کریم آج بھی دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ایک کتاب کو شروع سے لے کر آخر تک بار بار پڑھنا اور اس سلسلہ کو منقطع نہ ہونے دینا یہ صرف مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ مسلمان اللہ کے فرمان کے مطابق قرآن سے علم حاصل کر کے اپنی زندگیوں میں تبدیلیاں لانے کی خاطر اس میں سوچ اور تدبر کرتے رہتے ہیں اور تفکر کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ان کی زندگیوں میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔

## الفاتحہ کو قرآن میں پہلے ترتیب دینے کا مقصد

قرآن کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہوئی اور رسول کریم صلعم نے خود اس کی ترتیب دی۔الفاتحہ یعنی کھول دینے والی یہ سورۃ قرآن کے شروع میں رکھی گئی۔اس پر حضرت صاحب نے ایک بہت مدلل اور جامع تفسیر لکھی اور اس کو اپنے دعویٰ کی سچائی کا ثبوت بنایا کہ اس کے مدِ مقابل کوئی تفسیر لے آیا تو میرا دعویٰ غلط ثابت ہے۔الفاتحہ کھولنے کا کام کرتی ہے۔ایک قسم کی کنجی ہے جس سے وہ دروازے کھلتے ہیں جن سے حکمت و ہدایت کے تمام علوم واضح ہو جاتے ہیں۔

## روحانی ترقی کرنا انسان کی فطرت میں ہے

اللہ تعالیٰ الفاطر ہے اُس نے انسان کی فطرت میں روحانی ترقیات کا بیج خود رکھا ہے۔اس نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ زندگی بھر اُس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تلاش میں لگا رہے۔قرآن کریم ایک ایسا ہدایت نامہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا جو عین اس کی فطرت کے مطابق ہے جو اس کو ترقی دینے،اس کی دعاؤں کو قبول کرنے،اس کے ارادوں کو منزل تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے اور قرآن ہی اُن نمونوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو انبیاء،

صادقین، شہداء اور صالحین نے اپنائے اور یہ نمونہ ہمیشہ کے لئے قرآن میں محفوظ کر دیا گیا کہ اسے اپنانے سے انسان کے درجات بلند ہوں گے۔

## اھد نا الصراط المستقیم حصولِ نبوت کی دعا نہیں

یہ غلط فہمی بھی میں دور کرتا چلا جاؤں کہ **اھد انا الصراط المستقیم ، صراط الذین انعمت علیھم** نبوت کے لئے دعا ہر گز نہیں۔ جب خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا کہ اور نبی نہیں آئیں گے، خاتم النبیین رسول کریم صلعم ہیں اور ان کے یہ کہہ دینے کے بعد کہ ''**انا خاتم النبیین**'' کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ دعا ہے جس کے ذریعے نبوت ملے گی۔ نبوت نہیں ملے گی لیکن **نبیین** کے نمونہ پر چلنے اور خدا کے قریب پہنچنے کی توفیق عطا ہوگی۔ یہ وہ دعا ہے جس کی قبولیت کے نتیجہ میں قرآن نازل ہوا۔ **اھدنا الصراط المستقیم** ہمیں وہ سیدھا راستہ بتا دے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا **ذالک الکتاب لاریب** ، یہ وہ کتاب ہے جس میں نہیں شک کہ **فیہ ھدی اللمتقین** اس میں متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ یہ ہدایت ایسی ہدایت ہے جس کے اندر کوئی شک نہیں کہ کسی قسم کا ردوبدل نہیں۔

## حضرت مرزا صاحب کی بیان کردہ مدحِ قرآن

حضرت صاحب نے اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں ایک چھوٹے سے پیراگراف میں قرآن کریم کی جو صفت بیان کی اس کا مفہوم میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں وہ قابل غور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ الہامی کتاب ہے جس کا کلام الٰہی ہونا دلائل سے ثابت ہوتا ہے، جو اصول راستی اور احکام حق کی بنیاد پر بنی ہے۔ یہ اللہ کا تصور جو الغیب ہے ہمیں دیتی ہے۔ اس کا تصور قرآن کریم میں یوں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ اس کو ایسے پہچان لیتے ہیں جیسے کہ آپ اللہ کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ اسی لئے احادیث میں فرمایا گیا کہ:

''نمازیں ایسے ادا کرو جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو''

ہم اللہ تعالیٰ کو اُس روحانی آنکھ سے تب ہی دیکھ پاتے ہو جب ہم ایک ایسی ہستی کا تصور ذہن میں لا سکیں جس میں وہ تمام خوبیاں ہوں جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ تمام اسماء حسنیٰ ہیں۔ اس تصور کو جب ہم دماغ میں لائیں گے تو ہمیں مہربان خدا، ایک خالق، ربوبیت کرنے والا خدا، ایک توبہ قبول کرنے والا خدا آنکھوں کے سامنے نظر آئے گا۔ اس کی ہم چھوٹی چھوٹی جھلک رحم دل معاف کر دینے والے سخی انسانوں میں دیکھتے رہتے ہیں تو ان سے بڑھ کر اُن کو بنانے والے خالق کا کیا مقام ہوگا۔ وہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ مزید حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن غلط عقائد کو مٹاتا ہے۔

## قرآن انسان کو انسانیت سکھاتا ہے

قرآن دلیلوں کے ساتھ وہ تمام آداب انسانوں کو سکھاتا ہے جن پر عمل کر کے انسان کو انسانیت حاصل ہوتی ہے۔ انسان بن گیا لیکن ضروری نہیں کہ اس میں انسانیت بھی آئی ہو۔ وہ اگر نفس امارہ میں پھنسا ہے تو پھر وہ ہمارے تصور سے بعید نہیں کہ وہ آج کل کا تخریب کار، خونی، قاتل، ڈاکو، لوگوں کا مال کھانے والا ہوگا۔ تو پھر ہم اس کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ انسان دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ انسان جو پیدا ہو گیا لیکن اس کو وہ انسان بننا اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے، جو اشرف المخلوقات اور احسن تقویم کا مصداق ہو۔ نفس لوامہ کو حاصل کرنے کے بعد نفس مطمئنہ کی طرف جب وہ بڑھتا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ انسان اب انسان بن گیا اور یوں اس نے اپنے دین اور اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔

حضرت صاحب نے یہ بھی فرمایا:

''قرآن کی ہر تعلیم یوں ہے کہ وہ ہر غلط تعلیم اور عقائد کو رد کرتی ہے اور دل کو بصیرت اور روشنی بخشتی ہے اور یہ وہ قوت ہے جس سے پورے زور سے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی شریک ٹھہرانے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ قرآن انسان کو وہ طاقت بخشتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا خون تک بہا دینے میں دریغ نہیں کرتا۔''

قرآن کی مدح میں ایسے الفاظ لکھنا صرف اس زمانے کے امام کی قلم سے ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کے قلم کو وہ طاقت بخشی کہ اس قلم کو آپ نے

ہماری زندگیوں میں ایک ہتھیار کا مقام دیا۔ اس قلم سے جو الفاظ نکلے ان کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا اور یہ بھی اس زمانے کے امام کی سچائی کا ہمارے پاس ثبوت ہے کہ نہ اس طرح خدا کی تعریف میں کوئی لکھ سکے، نہ قرآن کریم کی تعریف میں کوئی لکھ سکے، نہ رسول کریم صلعم کی تعریف میں کوئی لکھ سکے۔ یہ طاقت کہاں سے آتی ہے؟ کیا کسی جھوٹے، کاذب کو اللہ تعالیٰ یہ طاقت بخشے گا یا ایک ایسی ہستی کو بخشے گا جو اللہ کا خوف رکھتی ہے، جو رسول کریم صلعم اور قرآن پر یقین رکھتی ہے اور پھر اپنی رہنمائی کے لئے قرآن کو بار بار پڑھ کر اپنی تحریرات اور تقاریر کی بنیاد بناتی ہے۔

## حضرت مسیح موعود کا چیلنج

حضرت صاحب کو قرآن کی سچائی پر اتنا یقین تھا کہ آپؑ نے دنیا کو مقابلہ پر بلا کر (بطور Challenge) اپنے اوپر سزائے موت قبول کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ:

"مجھے سزائے موت دے دو اگر کوئی قرآن کی تعلیم کا ایک ذرے کا ہزارواں حصہ نقص قرآن میں نکال دے یا کسی اور دینی کتاب میں ذرہ بھر ایسی بات ثابت کر سکے جو قرآنی تعلیم کے برخلاف ہو یا اس سے بہتر ہو"۔

## رمضان کی اہمیت

یہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے کہ کمزور سے کمزور اور بچے تک جب ارادہ کر لیتے ہیں کہ ہم روزہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہمت اور توفیق عطا کر دیتا ہے۔ ان دنوں ملک بھر میں شدید گرمی ہے لیکن لاتعداد بوڑھوں اور بچوں نے روزے رکھنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک غیبی طاقت ان کو عطا فرما رہا ہے۔ قرآن اپنی طرف خود توجہ دلاتا ہے، رمضان ایک ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ اور کثرت سے مسلمان قرآن اور عبادات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اس کے سننے کے لئے گھنٹوں تراویح میں کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے سننے میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑا اجر رکھا ہے۔ قرآن پڑھنے میں چاہے سمجھ نہ آئے پھر بھی بڑا ثواب ہے لیکن اصل بات اس کی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے جس کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے۔ توجہ یہ دلائی ہے کہ اس کا حق تب ادا ہوگا جب یہ پڑھنے کے علاوہ سمجھا بھی جائے اور سمجھ کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے اور یہ ایسی زبان میں اُترا ہے کہ ایک طرف اس کی سمجھ آسانی سے آجاتی ہے مثلاً کسی بچے سے کہہ دیا جائے کہ قرآن میں آیا ہے قولو قولا سدیدا یعنی سیدھی سیدھی بات کیا کرو یا سچ بولا کرو تو کوئی ایسا بچہ نہیں ہوگا جو کہے کہ مجھے بات سمجھ نہیں آرہی۔ اور پھر دوسری انتہاء پر وہ باتیں ہیں جو آج کل علماء دین، فلاسفر اور نکتہ ور بڑے بڑے سائنسدان بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قرآن کی اصل سمجھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور وہ اِسے اُن کو بخشتا ہے جو عبادات اور قرآن پر عمل کے ذریعہ اپنے قلوب کی پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ لا یمسه الا المطهرون "اس کو نہیں چھو پاتے مگر پاکیزہ لوگ"

## روزوں کا مقصد

اگر ہم روزے بھوکا رہنے اور پیاسہ رہنے کے لئے رکھتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُس نے فرمایا ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے روزے ضروری ٹھہرائے گئے ہیں جیسے کہ ان لوگوں کے لئے ضروری ٹھہرائے گئے جو تم سے پہلے تھے" یعنی کہ ہمیشہ سے روزے ضروری ٹھہرانے کا مقصد ایک ہی تھا۔ ہم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ اسلام وہ واحد دین ہے جس میں روزوں کا مقصد تقویٰ ہے۔ خدا سے ڈرنا، خدا کے احکام پر زندگی بسر کرنا صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام انسانیت پر اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کر کے اس کا مقصد ایک ہی رکھا اور وہ تقویٰ حاصل کرنا ہے معلومات کے مطابق بعض انبیاء اور اولیاء کی زندگی پر ہم جب غور کرتے ہیں تو اُنہوں نے کثرت سے روزے رکھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے انعام سے نوازا اور اُنہیں انبیاء یا اولیاء اللہ ہونے کا مقام حاصل ہوا۔ رسول کریم صلعم نے غارِ حرا کی تاریکیوں میں عباداتِ الٰہی اور روزے رکھے تو اللہ نے آپ کو رسالت عطا فرمائی اور قرآن کا نزول آپؐ پر اِسی ماہ مبارک

میں شروع فرمایا۔ اسی طرح عیسیٰؑ نے روزے رکھے اور بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے بھی۔ اولیاء اللہ نے بھی روزے کثرت سے رکھے اور اس زمانہ کے امام اور مجدد صد چہاردہم نے چھ ماہ کی طویل مدت کے روزے رکھے۔

ہر ایک انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کے بعد ایک مقام رکھا ہے جو پچھلے مقام سے بہتر ہوجاتا ہے۔ صرف چیلنج اس میں تسلسل رکھنا ہے۔ کیونکہ روزے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ چیزیں کمزور پڑجاتی ہیں لیکن اگر ہم اس کا مقصد سمجھیں کہ یہ متقی بننے کے لئے ضروری عمل ہے تو پھر ہم ایمان لانے کے بعد اس کو کیسے ترقی دیں تو اس کا واحد یہ جواب ہے کہ قرآن کی مکمل اتباع کی جائے اور قرآن کے بتائے ہوئے ہر راستے کو اپنایا جائے اس کے پڑھنے، سمجھنے، عمل کرنے سے ہی دل پاک ہوں گے اور اس میں اللہ تعالیٰ اپنی صفات ڈالے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات انسان میں تب پڑتی ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی راہ کو مکمل طور پر اختیار کرتا ہے۔ اور اس کی صفات رحم کرنا، درگزر کرنا، پاکیزگی اختیار کرنا، یہ سب جب ہم اختیار کرتے ہیں تو رمضان کا فائدہ اپنی اپنی کوشش کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ہم یہ کوشش جاری رکھیں جس کی رہنمائی ہمیں حضرت صاحب کے اس شعر میں ملتی ہے:

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اس شعر میں حضرت صاحب قرآن پر مکمل عمل کرنے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ آپؑ نے اپنی روحانی ترقی کا واحد ذریعہ اور سمت (کعبہ) قرآن پر عمل کرنے کو بنایا۔ اور وہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کامیابی کی وجہ آپؑ قرآن کا صحیفہ چومنے یعنی اُس سے محبت اور اس کی اتباع فرمائی۔ اور اپنی سمت کو ہمیشہ قائم رکھا۔ جس کو بھی خدا کی خوشنودی چاہیے ہو وہ اسی نصیحت پر عمل کرے تو آج بھی روحانی مقامات حاصل کرسکتا ہے۔ اس نصیحت پر ہماری جماعت کو خاص طور پر توجہ دینی چاہیے۔

یہ اب ہم پر منحصر ہے کہ ہم کتنی محنت کرتے ہیں اور اس محنت میں کتنے ثابت قدم رہتے ہیں۔ اگر اب رمضان میں قرآن پڑھنا اچھا ہے بعد میں بھی اچھا رہے گا، اگر اب قرآن سمجھنا اچھا ہے تو بعد میں بھی اچھا رہے گا۔ اگر اب اچھا عمل کرنا اچھا ہے تو پھر کیوں بعد میں اس عمل کو چھوڑا جائے۔ یہ عمل اگر ہم جاری رکھیں اور اس قرآن کے اردگرد ہی گھومیں اور اپنا نصب العین یعنی قبلہ قرآن کے احکامات کو ہی رکھیں تو پھر انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

**''اگر آپ حج کے لئے جاؤ اور وہاں پر کعبہ کے مالک کا خیال تمہارے دل میں نہ آئے تو اس سے بہتر تھا کہ آپ گھر میں بیٹھ کر ہی خدا کو یاد رکھتے۔**

## دعا

**اپنی دعاؤں میں جماعت، ملک کی مشکلات، جماعت کی حفاظت، ملک کی حفاظت، بیماروں کی صحت، طالب علموں کی کامیابی، بے روزگاروں کے لئے روزگار، بے اولادوں کے لئے اولاد، قرض داروں کے قرض کی ادائیگی، مالی مشکلات سے نجات کو یاد رکھیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل اور دین پر قائم رہنے کی استقامت عطا فرمائے۔ اللہ ہمارے علم کو نفع بخش اور وسیع کردے۔ ہماری زبانوں کو قبولیت والا ذکر عطا فرمائے۔** ہمیں توبہ کی توفیق دے اور درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا بنائے وہ معاف کرنا پسند کرتا ہے، ہم اس کی سزا سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم ہر ایک بلا سے عافیت چاہتے ہیں۔ آمین

اس جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق اور جس مقصد کے لئے یہ جماعت بنی ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق اللہ سے چاہتے ہیں۔ آمین

☆☆☆☆

چوتھی قسط

# قرآن مجید میں انبیاءؑ کے حالات

## اِن کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے(111:12)

### حضرت امیر مولانا محمد علیؒ مرحوم و مغفور

جو آیات اس کے بعد آتی ہیں۔ان سے بھی اس نتیجہ کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت یوسفؑ کے حالات بطور قصہ کے بیان نہیں کئے گئے۔ بلکہ ان میں عقلمندوں کے لئے سبق ہیں۔ان آیات میں گذشتہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:''ان انبیاءؑ کے بیان میں عقلمندوں کے لئے ایک عبرت ہے''(111:12)۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا بیان بھی اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے۔کیونکہ وہ بھی گذشتہ انبیاءؑ میں سے ایک نبی ہیں۔مگر پیشتر اس کے کہ میں بیان کروں کہ کون کون سی غیب کی خبریں ہیں جو سورہ یوسف میں قبل از وقت بیان کی گئیں اور وہ کون کون سی آیات ہیں جن کی طرف اس سورہ کے ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین کی توجہ بعض ان خصوصیات کی طرف پھیروں جو سورہ یوسف میں پائی جاتی ہیں اور کتاب پیدائش اُن سے خالی ہے۔

پہلی خصوصیت تو وہ الفاظ ہیں۔ جن سے حضرت یوسفؑ کا بیان سورہ مذکورہ میں شروع کیا گیا ہے:''یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں حق تلاش کرنے والوں کے لئے کئی نشانات ہیں''(7:12)۔ان الفاظ کے ذریعہ شروع میں ہی یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ یہ حالات قصہ کے رنگ میں بیان نہیں کئے جاتے اور نہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ آنحضرتؐ پوشیدہ کہانیاں بیان کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ حالات اس وجہ سے بیان کئے جاتے ہیں کہ ان میں حق کے طالبوں کے لئے ایک نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ پھر حضرت یوسفؑ کے نام کے ساتھ اِخْوَتِہٖ یعنی آپ کے بھائیوں کے نام بھی شامل کرنا بلا وجہ نہیں بلکہ اپنے اندر ایک معنی رکھتا ہے۔خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لئے کئی نشانات ہیں۔اس بات پر دلالت کرتا ہے جو انبــاءُ الـغـیـب (غیب کی خبریں) ان حالات کے ذریعہ قبل از وقت بیان کی گئی ہیں۔ وہ صرف اس زمانہ کے یوسف یعنی آنحضرتؐ سے ہی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ آپ کے بھائیوں یعنی قریش سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔اس سورہ کی تیسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جن آنے والے واقعات کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے۔ وہ ایسے پوشیدہ ہیں کہ خود آنحضرتؐ کو ان کی خبر نہ تھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:''ہم تیرے پر بیان کرتے ہیں۔ بہت اچھا بیان اس طرح سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو (ان باتوں سے جن کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے) پہلے بے خبر تھا''۔

(3:12)

قرآنی بیان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات ایسی طرز سے بیان کئے گئے ہیں جس سے خدا تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا احساس نہایت ہی محکم طور پر پڑھنے والے کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کو لڑکپن کے زمانہ میں آپ کے بھائیوں نے ایک تاریک اور گہرے کنوئیں میں پھینک دیا تو ایسی حالت میں، جبکہ ہر طرف سے ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی تھی، خدا تعالیٰ کا تسلی بخش پیغام آپ پر نازل ہوا۔ جس میں ایک عجیب اور عظیم الشان آنے والے واقعہ کی خبر دی گئی اور جو جو نظارے اور واقعات آئندہ پیش آنے والے تھے۔ان کے حیرت انگیز خاتمہ سے اس کنوئیں میں گرے ہوئے بچہ کو آگاہی دی گئی۔اور جو ڈراما اس بچہ کو پیش آنے والا تھا۔اس کے آخری سین کا حصہ اس کے سامنے کھینچا گیا۔ وہ کلام

الٰہی، جو کنوئیں کی تہہ میں اس بے کس بچہ پر نازل ہوا، وہ یہ تھا: ''تو انہیں ان کے کام کی خبر دے گا اور وہ نہیں جانتے ہوں گے'' (15:12)۔ جب حضرت یوسفؑ کی نسبت اس کے بھائیوں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کو کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس وقت اس کو اس کے خونخوار بھائیوں کے ہاتھوں سے کوئی چھڑانے والا موجود نہ تھا۔ تو ایسی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں اس ویرانہ میں اس بچہ کے کانوں میں ایک تسلی دینے والے کی آواز پہنچی۔ اور وہ آواز یہ تھی کہ اگرچہ اس وقت تیرے باپ کے بیٹے تیرے خونی دشمن ہیں اور وہ غالب اور تو مغلوب نظر آتا ہے۔ مگر بہت سے تغیرات زمانہ کے بعد خدا تعالیٰ ایک ایسا وقت لائے گا کہ یہی تیرے بھائی تیرے حضور پیش ہوں گے اور تو ان سے سوال کرے گا کہ تم نے اپنے بھائی یوسف سے کیا سلوک کیا؟! اور اس وقت تیرا جاہ وجلال اور تیری عظمت اور شان اس قسم کے ہوں گے کہ وہ تجھے نہ پہچان سکیں گے کہ یہ ہمارا بھائی یوسف ہے!

اور قرآن شریف صرف اسی بشارت کا ذکر نہیں کرتا جو بیابان میں کنوئیں کے اندر حضرت یوسفؑ کو دی گئی بلکہ جو کچھ وہ اس کے بعد ذکر کرتا ہے۔ اس میں بھی اس کو ہی دکھلانا مقصود ہے کہ کس طریق اور کس راہ سے خدا تعالیٰ کی یہ عجیب بشارت آخر کار پوری ہوئی۔ چنانچہ اثنائے بیان میں ہر ایک ضروری موقعہ پر قاری کی توجہ اس طرف پھیرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ کن کن پُر حکمت اور لطیف راہوں سے خدا تعالیٰ اپنے ارادوں کو پورا کرتا ہے اور جس شخص کو اس کے بھائیوں نے نابود کرنا چاہا تھا۔ کس طریق سے وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اور جس بے کس انسان کو اس کے بھائیوں نے اپنے وطن سے نکال دیا تھا۔ کن راہوں سے خدا تعالیٰ اس کو ایک غیر ملک میں اجنبی لوگوں کے درمیان عزت بخشتا ہے۔ چنانچہ اس بیان کے بعد کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو اس تاریک اور مہیب کوئیں سے نکال کر مصر میں ایک رئیس کے گھر میں ایک عزت کی جگہ پر پہنچایا، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی تا کہ ہم اس کو باتوں کی حقیقت سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بات پر قادر ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' (21:12)۔ اسی طرح جب آخر حضرت یوسفؑ ملک مصر میں ایک ہی معزز عہد پر ممتاز ہوئے تو اس امر کا ذکر کرنے کے بعد بھی خدا تعالیٰ ہماری توجہ کو اپنے کاموں اور اپنی حیرت انگیز قدرتوں کی طرف پھیر کر فرماتا ہے: ''اس طرح ہم نے یوسف کو (جسے بھائیوں نے کوئیں میں پھینک دیا تھا اور جس کو ہم نے مدد کی بشارت دی تھی، زمین میں جگہ دی، اور اس کو اس قسم کی آزادی بخشی) کہ وہ جہاں چاہتا تھا۔ اپنا مقام کرتا۔ جس کو ہم چاہتے ہیں (اسی طرح اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر مومنوں متقیوں کے لئے اس سے بھی بڑھ کر ہے'' (57-56:12)۔

یہ تو درمیانی مرحلے ہیں۔ جن کو بیان کر کے خدا تعالیٰ ہمیں دکھاتا ہے کہ کن راہوں سے اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ ان کے بعد خدا تعالیٰ اس رقت آمیز نظارہ کا نقشہ کھینچتا ہے۔ جب کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے مصر کے ایک شہزادے کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ قحط کی مصیبت میں گرفتار اور قریباً تہی دست اس شہزادے سے یہ التجا کرتے ہیں:

''اے عزیز! ہم اور ہمارے گھر والے قحط کے دکھ میں مبتلا ہیں۔ ہم ایک حقیر پونجی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ہمیں پورا تول مرحمت فرمائیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھی جزا دیتا ہے'' (88:12) اس پر وہ شاہزادہ خیرات مانگنے والے اجنبیوں سے پوچھتا ہے: ''کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے اپنی جہالت کے دنوں میں کیا کیا'' (89:12)۔ اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ یہ شاہزادہ، جس سے وہ خیرات مانگ رہے ہیں، یہ تو وہی ان کا چھوٹا بھائی یوسف ہے، جس کو انہوں نے کنوئیں میں پھینکا تھا اور جس کو وہ اس کی شان وشوکت کی جھلک کی وجہ سے اب پہچان نہیں سکے۔ چنانچہ حیرت میں ہو کر پوچھنے لگے: ''کیا آپ یوسف ہیں'' (90:12) اور جب اس شاہزادے نے جواب دیا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ اور یہ میرا بھائی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اور جو شخص تقویٰ کرے اور صبر کرے۔ تو اس کو ایسا ہی اجر ملتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تو اس وقت ان

بھائیوں نے سخت شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ کی قسم خدا تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم خطا کار تھے'' (91:12)۔ مگر اُس رحیم وکریم انسان نے پسند نہ کیا کہ اپنے بھائیوں کو ملامت کر کے اُن کو رنجیدہ خاطر کرے۔ وہ لطف کے ساتھ اُن سے پیش آیا اور اُن کے قصوروں کی معافی دے کر نہایت کرم سے فرمایا: ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ خدا تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔ وہ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے'' (92:12)۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو خدا تعالیٰ نے اس بیکس بچے سے نہایت بے کسی کی حالت میں بیابان کے اندر ایک تنہا اور تاریک کوئیں میں کیا تھا۔

اس کے بعد وہ نظارہ ہے جب کہ حضرت یوسفؑ کا باپ اور ماں اور بھائی خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہ اس قدر لمبی جدائی کے بعد اور اس قدر تغیرات اور حوادث کے گزرنے کے بعد اُس نے بچھڑے ہوؤں کو پھر ملا دیا اور غم کو خوشی سے بدل دیا۔ زمین پر سجدہ میں گر پڑے۔ اُس وقت حضرت یوسفؑ بول اُٹھے: ''میرے ابا جان! یہ ہے نتیجہ میرے اس رؤیا کا جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اس کو سچا کر دیا اور اس نے میرے پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکال لایا اور تمہیں بیابان سے لایا۔ بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کو لطیف طریق سے پورا کرتا ہے۔ وہ جاننے والا اور حکیم ہے'' (100:12)۔ انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کو اپنا وہ خواب یاد دلایا جو بچپن میں انہوں نے دیکھا تھا اور جو سورہ یوسف کے ابتداء میں مذکور ہے۔ یہ خواب کیسے عجیب طریق کے ساتھ آخر پورا ہوا!

غرض قرآن شریف میں حضرت یوسفؑ کا بیان ایک حیرت انگیز بشارت اور ایک عجیب پیشگوئی کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور اس بیان کے اثناء میں جا بجا اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ کو پورا کیا اور سورہ شریفہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ صرف ایک کہانی سنائی جائے بلکہ یہ دکھلانا مقصود ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اس حیرت انگیز کلام کو پورا کیا جو اُس نے بیابان میں کوئیں میں گرے ہوئے بچے پر بالکل بے کسی اور بے بسی کی حالت میں نازل فرمایا تھا۔ مگر پیدائش کی کتاب میں اس قسم کی کوئی غرض مدنظر نہیں۔ بلکہ اس کتاب کے مصنف کی اتنی ہی غرض ہے کہ ایک کہانی کو قلمبند کرے۔ پادری صاحبان اپنے طور پر خواہ کتنے ہی مطالب اس کہانی میں سے اخذ کریں مگر وہ اس کہانی میں کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں دکھا سکتے جس سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے والے کی اپنی غرض قطعہ گوئی کے سوا کچھ اور تھی۔

ایک اور امر، جس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض کہانی بیان کرنا نہیں مگر مصنف ''کتاب پیدائش'' کی غرض صرف قصہ گوئی ہے، یہ ہے کہ قرآن شریف غیر ضروری تفاصیل کو بغیر بیان کرنے کے چھوڑ دیتا ہے۔ مگر کتاب پیدائش کا مصنف چھوٹی چھوٹی بیہودہ تفاصیل پر بڑا زور دیتا ہے۔ اور نکمی نکمی لچر باتوں کو، جن سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہو، بڑی تفصیل اور تطویل سے بیان کرتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایک حکیم کا کلام ہے۔ کیونکہ اس میں لغو اور غیر ضروری تفاصیل سے اعراض کیا ہے۔ اور صرف انہی امور کو خوبصورت اور پیارے پیارے دلربا پیرایہ میں بیان کیا ہے جو اصلی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ قارئین اس امر کو مدنظر رکھ کر دونوں جگہ یعنی قرآن شریف میں اور کتاب پیدائش میں حضرت یوسفؑ کے حالات کو پڑھیں۔ تا اُن کو اس فرق بین کا پورا پورا لطف حاصل ہو۔

ایک اور بڑا بھاری فرق، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یوسفؑ کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور ''کتاب پیدائش'' کا بیان ایک انسان کا کلام ہے جس کو قصہ گوئی کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی، یہ ہے کہ سورہ یوسف میں خدا تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کا ایک زبردست ثبوت دیا گیا ہے۔ مگر ''کتاب پیدائش'' کا بیان اس وصف سے خالی ہے۔ سورہ یوسف کو پڑھو اور تمہیں معلوم ہوگا کہ شروع سے آخر تک حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا یقین ہے کہ میرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ کئی سال

گزر گئے۔ حضرت یوسفؑ کا کوئی پتہ ونشان نہیں ملا۔ سب اُس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں بلکہ حضرت یعقوبؑ کو اُن کے بیٹے یہ کہہ کر ملامت بھی کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد ہی کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ تو مضمحل ہو جاوے یا (اسی غم میں) گذر جاوے'' (85:12)۔ اس کے جواب میں حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں: ''میں تو اپنی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا'' (86:12)۔ ایسا ہی جب حضرت یوسفؑ کے بھائی آپ کی قمیض کو بطور نشان کے لئے ہوئے مصر سے روانہ ہوتے ہیں تو ادھر کنعان میں حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں: ''مجھے تو اس وقت یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو'' (94:12)۔ غرض اول سے آخر تک حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا یقین ہے کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں۔ اور وہ بار بار اپنے اس یقین کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ چنانچہ جو علم خدائے تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور جب حضرت یوسفؑ کا پیراہن آپ کے سامنے رکھا گیا اور آپ کا علم الیقین بصیرت اور رؤیت سے بدل گیا تو آپ فرماتے ہیں: ''کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم دیا گیا ہے۔ جو تمہیں حاصل نہیں'' (96:12)۔ آپ اپنے پاس رہنے والوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ دیکھو جو بات میں تمہیں کہتا تھا وہ آخر پوری ہوئی۔ اور خدا کا کلام سچا ثابت ہوا۔ غرض قرآن شریف نے حضرت یوسفؑ کے حالات میں اپنے علیم وخبیر ہونے کا ثبوت دیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح وہ اپنے برگزیدوں پر غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے اور کس طرح اس کی بتائی ہوئی باتیں، جو لوگوں کی نظروں میں ان ہونی معلوم ہوتی ہیں، پوری ہو کر رہتی ہیں۔ غرض یہ علیم وخبیر اور قدیر ہونے کا ثبوت، جو سورہ یوسف میں دیا گیا ہے، کتاب پیدائش اس خصوصیت سے بالکل بے بہرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کا لکھنے والا ایک انسان تھا۔ جس نے واقعات کو صرف روایات سے اخذ کر کے جمع کر دیا اور اس کا کلام الہام الٰہی کے رنگ میں رنگین نہیں اور سورہ یوسف کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ وہ عظیم وحکیم کا کلام ہے۔

ایک اور امتیاز، جو سورہ یوسف کو حاصل ہے اور جس سے پیدائش کی کتاب محروم ہے، وہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حضرت یوسفؑ کو اس تہمت سے بری کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ مگر پیدائش کی کہانی میں آپ کو اس اتہام سے بری نہیں کیا گیا جو آپ کے آقا کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ پیدائش کی کتاب میں حضرت یوسفؑ کو ایک پاک انسان ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر اس میں کوئی ایسی بات نہیں کی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ کے ہم عصروں کی نظروں میں بھی آپ کا معصوم ہونا اور تہمت معلومہ سے بری ہونا ثابت ہو گیا تھا۔ وہ الزام جس پر آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا سب کو معلوم تھا۔ مگر کتاب پیدائش کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقعہ پر آپ نے اپنے تئیں اس الزام سے بری کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی۔ جس سے شبہ کرنے والوں کو اور بھی شک کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ مگر یہ امر وہم میں بھی نہیں آ سکتا کہ حضرت یوسفؑ جیسا بزرگ نبی ایک نہایت ہی برے کام کے ساتھ متہم کیا جاوے اور وہ ذرا بھی اپنی بریت کے لئے کوشش نہ کرے! اس نے ضرور اس داغ کو اپنے مقدس نام سے دور کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مصر کے بادشاہ نے آپ کے پاس اپنا خاص قاصد اس غرض کے لئے بھیجا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکال کر دربار شاہی میں لاوے۔ آپ نے پسند نہ کیا کہ اس طرح رعائیتی طور پر قید خانہ سے باہر قدم بھی رکھیں۔ چنانچہ آپ نے شاہی قاصد کو کہا کہ تم واپس بادشاہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ میں اس جگہ سے باہر نہیں آ سکتا جب تک کہ اس مقدمہ کی بادشاہ بہ نفس نفیس خود تحقیقات کر کے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہ کرے۔ جس کی وجہ سے مجھے جیل خانہ میں بھیجا گیا تھا۔ اور جب تک تحقیقات کے بعد آپ کا گناہ سے بکلّی پاک ہونا ثابت نہ ہوا آپ نے قید خانہ سے قدم باہر نہ رکھا۔

مطبوعہ در اشاعت 29 اکتوبر 1942ء

(جاری ہے)

☆☆☆☆

# برائیوں اور لغو باتوں سے رُکنا اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنا ہی روزے کا بنیادی مقصد ہے

## (خطبہ جمعہ بمقام جامع کراچی مورخہ 18 مئی 2018ء)

ناصر احمد، بی اے، ایل ایل بی

### روزہ کی غرض

آج ماہِ رمضان شروع ہو چکا ہے۔ پہلا روزہ تو گھر کے تقریباً سب ہی لوگ رکھتے ہیں اور اس کا اہتمام بھی خاص ہوتا ہے۔ کراچی کی اس گرمی اور حبس میں بڑوں کا حوصلہ تو ہے ہی، بچوں کا ذوق وشوق اور برداشت بھی قابلِ ستائش ہے۔ صبح سویرے اُٹھ کر سحری کھانا، نماز فجر ادا کرنا اور سارا دن نمازوں کا اہتمام اور یہ کوشش کہ اپنی خواہشات اور جذبات خاص طور پر غصہ پر قابو پانا، بُرے کاموں سے رُکنا اور دوسروں کو نہ صرف تکلیف پہنچانے سے رُکنا بلکہ ان کی خدمت یا ان سے بھلائی کے مواقع ڈھونڈنا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سال میں ایک مہینہ رمضان کا مقرر کیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو آجکل مختلف بین الاقوامی اور قومی دن منائے جاتے ہیں، ان کی غرض کو جس طریق پر ماہِ رمضان میں پورا کرنے کی نصیحت اور تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے، اس سے بہتر اور کوئی طریق ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بات یہی ہے کہ نہ حج کرنے سے انسان کو خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے ورنہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو سورۃ قریش میں کعبۃ اللہ کے طواف کرنے کے سلسلہ میں خاص طور پر یہ تاکید کہ **فلیعبدوا رب ھذا البیت** نہ کرنی پڑتی کہ ''اس گھر کے رب کی عبادت کرو''۔ اور اگر روزہ رکھنے سے ہی انسان میں دین کی غرض اور انسانی ہمدردی کا ہر وہ طریق اختیار کرنے کی توفیق حاصل ہو جاتی تو اللہ میاں کو خاص طور پر سورۃ الماعون نازل نہ کرنی پڑتی اور روزمرہ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف بطور خاص توجہ نہ دلانی پڑتی جو بظاہر ہر آدمی بخوبی سمجھتا اور جانتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ کی وحی کے الفاظ سنیں اور پھر ان کے ترجمہ پر بھی دھیان دیں۔ انسانی ہمدردی اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کے لئے خاص توجہ دینے کو کس سادگی سے دین کی غرض بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

''کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ایسے نمازیوں کے لئے تباہی ہے۔ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور خیرات اور دوسروں کو استعمال کی روزمرہ کی چیزوں کو دینے سے روکتے ہیں۔''

### نیکی اور خیر خواہی کے احساس کی تربیت کرنا

اگر آپ روزہ سے متعلق مختلف ہدایات کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث کو پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ اگر آپ روزہ نہیں رکھ سکتے یا آپ بیمار ہیں یا روزہ کے دوران آپ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو ان حالات میں فدیہ کے طور پر جن جن مختلف طریق پر نیکی اور خیرات کرنے کی تلقین کی گئی ہے، ان سب کا بنیادی مقصد اپنے اندر انسانی ہمدردی کے جذبہ اور رویہ کی نشوونما اور معاشرے میں محروم اور ضرورت مند طبقہ کی خبر گیری کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ ہماری عبادات کی ضرورت ہے اور نہ ہی صدقہ اور خیرات کی جن کی مختلف موقعوں اور مختلف صورتوں میں کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ یہ تمام عبادتیں

اور ہمدردی کے کام ہم میں نیکی اور معاشرے میں ایک دوسروں سے بھلائی کرنے کے لئے ترغیب دینا مقصود ہے تا کہ معاشرے میں باہم ہمدردی، شفقت اور خیر خواہی ترقی کرے۔ یہی ترقی ہے جو معاشرے کو اور اس کے لوگوں کو خوشحال بنا سکتی ہے اور اسی کا نام دین ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لئے لفظ ''فلاح'' استعمال کیا گیا ہے۔ جس طرح انسان محنت کر کے زمین میں بیج ڈالتا، ہل چلاتا، پانی فراہم کرتا اور پھر فصل کاٹتا ہے۔ اسی طرح انسان کو نیکی، ہمدردی اور اخلاق پیدا کرنے کے لئے محبت، شفقت اور قربانی کرنی پڑتی ہے۔ تبھی کہیں جا کر نیکی کی فصل کاٹ سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب نے ''بیان القرآن'' میں سورۃ البقرہ کی آیت 183 کے تحت جس میں روزہ کی فرضیت کے حکم اور اس کی کچھ تفصیلات بیان کی گئیں ہیں، اس پر ذیل کا انتہائی جامع نوٹ لکھا ہے:

''صوم'' اصل میں ایک فعل سے رکنے کا نام ہے، کھانا ہو یا کام یا چلنا۔ اصطلاح شریعت میں اُس شخص کا جو احکام شریعت کا پابند ہو چکا ہے، صبح کی سفیدی کے نمودار ہونے سے رات کی سیاہی کے نمودار ہونے تک ارادۃً کھانا کھانے، پانی پینے اور جماع سے رُکے رہنا ہے۔ (لغت، غرائب القرآن) اور اس کے ساتھ جیسا کہ احادیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ہر ایک لغو اور ناجائز فعل یا قول کا ترک کرنا بھی شامل ہے۔

اسلام نے روزہ کی غرض یہ بیان کی ہے کہ تم متقی بنو یعنی تمہارے اندر بدی کی طاقتیں کمزور اور نابود ہوں اور نیکی کی قوتیں نشو و نما پائیں کیونکہ انسان کی ہر ایک قوت اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے اس بات کی محتاج ہے کہ اسے نشو و نما دی جائے (خواہ وہ جسم ہو، دماغ ہو، ہنر مندی ہو، آواز ہو وغیرہ۔ انسان کو اپنی کسی بھی صلاحیت، قوت یا ہنر مندی کو ترقی دینا مقصود ہو تو اس کو ہر اس چیز سے پرہیز کرنا ہوتا ہے اور ہر اس چیز کو اپنانے کی کوشش کرنا ہوتی ہے جو اس کے مقصد کے حصول کے لئے مفید اور ترقی کا موجب ہو۔ ناقل)

پس روزہ میں خدا کے حکم کی فرمانبرداری کے لئے حلال چیزوں کو ترک کیا جاتا ہے۔ روزہ سے خواہشات کو ترک کرنے کی قوت انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اور یہی قوت انسان کو اپنے نفس پر حاکم بنا کر اعلیٰ سے اعلیٰ پاکیزگی اور نیکی کے مقام پر پہنچاتی ہے۔ اسلام نے ہر ایک چیز کو ایک قاعدہ اور ضبط کے ماتحت کیا ہے۔ روزہ میں اس ضبط کو توڑنا مقصود نہیں بلکہ انسان کے اندر یہ قوت پیدا کرنا ہے کہ خواہشات حیوانی جو کھانے پینے اور زوج کی طرف رجوع کرنے سے تعلق رکھتی ہیں، انسان کے اقتدار کے نیچے ہوں اور ایسا نہ ہو کہ انسان ان کا غلام اور محکوم بن جائے۔ روزہ میں خواہشات حیوانی پر قابو پانے کی عملی راہ بتائی گئی ہے۔'' (ص104)

## زندگی کے کاموں میں نظم وضبط کی تربیت ضروری ہے

جس طرح جسم کو صحت مند بنانے یا اس کو زیادہ توانا بنانے کے لئے عام روش سے ہٹ کر غذا اور ورزش کرنا پڑتی ہے اور پھر اس ورزش کو ایک خاص طریقہ سے اور ایک خاص مدت تک کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے ایسی غذاؤں کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے جو اس جسم کی خاص ساخت کے بننے میں رکاوٹ ہوں پھر آپ کو اس کے لئے صحیح ماحول مہیا کرنے کے لئے اپنے سونے اور اُٹھنے کے اوقات کو بھی بدلنا پڑتا ہے۔

اور پھر امتحان کی مثال لے لیجئے۔ امتحان کے قریب آنے پر آپ زندگی کے معمول میں کافی تبدیلیاں لے آتے ہیں۔ جو کہ زندگی کے عام معمول سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ یہ اس لئے کہ آپ کو ایک بلند مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے جس پر آپ کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے یعنی ایک رنگ میں ایک اعلیٰ مقصد کے لئے کچھ چیزوں کو جو عام حالات میں درست ہوتی ہیں آپ ارادۃً چھوڑتے ہیں۔ یہی چھوڑنا اور ایک خاص طریق کو اختیار کرنا روزہ کے ذریعہ اس کی تربیت دی جاتی ہے۔

روزہ آپ کو ہر ایک نیک، اعلیٰ اور مفید مقصد یا چیز کو حاصل کرنے کے لئے ایک خاص طریق پر تربیت دیتا ہے جس کے ذریعہ آپ میں نئی قوت ارادی، کوشش اور پھر آپ کو اس کے نتیجہ میں مقصد میں کامیابی اور اس پر مستزاد اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے۔ یہی تقویٰ کی راہ ہے جو دنیاوی اور اُخروی زندگی میں کامیابیاں حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

# اُخروی زندگی کا صحیح مفہوم

جب ہم عام گفتگو میں دنیاوی اور اُخروی یا آخرت کی زندگی کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں جو بھی اچھا یا بُرا کام ہم کرتے ہیں اس کا ایک نتیجہ ضرور برآمد ہوتا ہے۔ یہ سب نتائج ہی اس کام کی آخرت ہیں۔لیکن ہم کیوں عام طور پر آخرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اس زندگی کا آخر اختتام ہونا ہے اور آپ کے تمام اعمال جو اچھے ہیں یا بُرے ان کا انجام موت کے بعد بالکل ظاہر طور پر آپ کے سامنے آجائیں گے۔اور دین ہم میں یقین پیدا کرتا ہے کہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔اُس وقت آپ اپنے تمام کاموں کا انجام بھی دیکھ لیں گے جن کے متعلق آپ کو دنیاوی زندگی میں پورا علم نہ ہوسکا۔

## لفظ صوم میں ''رُکنے'' کی غرض اور اہمیت

لفظ''صوم'' میں رُکنے کے عمل کو نمایاں حیثیت دی گئی ہے۔اس عمل کی ہر اچھے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کس قدر ضرورت اور اہمیت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر بھی کچھ روشنی ڈالوں کہ آخر رُکنے کو ہی کیوں اللہ تعالیٰ نے روزے کے سلسلہ میں اتنی اہمیت دی ہے کہ لفظ ہی ایسا اختیار کیا جس کا بنیادی مطلب ہی رُکنا ہے۔آج کل پاکستان میں اور مغربی دنیا میں جم جانے کا فیشن زوروں پر ہے۔عورتیں، مرد اور بچے بڑے اہتمام سے اور اچھی خاصی رقوم خرچ کر کے ان مراکز میں جاتے ہیں۔اور پھر اپنی نجی محفلوں میں ان کی تفصیلات کا فخر سے ذکر کرتے ہیں۔جب آپ جم جانا شروع کرتے ہیں تو نہ صرف ان کے قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہیں بلکہ انسٹرکٹر کی ہدایات پر بھی عمل کرتے ہیں۔ ورنہ یا تو آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ کئی دفعہ نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔اس کے لئے بھی آپ کو اپنی معمول کی زندگی میں خاص وقت، خاص محنت اور کسی حد تک غذا میں بھی احتیاط برتنی پڑتی ہے۔اسی احتیاط کا دوسرا نام ''رُکنا'' ہے۔جس کے لئے قرآن مجید نے لفظ''صوم''استعمال کیا ہے۔

اسی طرح ٹریفک کے نظام میں سرخ بتی بھی رُکنے کا اشارہ دیتی ہے اگر آپ نہ رُکے تو آپ کو بھی حادثہ پیش آسکتا ہے اور اس کی وجہ سے دوسرے کو بھی بلاوجہ حادثہ پیش آسکتا ہے۔حالانکہ وہ تو بتی کے اشارے کے مطابق صحیح چلا آرہا تھا۔

پھر دریاؤں اور نہروں کے پانی کو لے لیں۔ پانی کا کام تو نیچے کی طرف بہنا ہے۔لیکن اگر آپ نے اس کو روک کر نہریں نکالیں اور کھیتوں کو سیراب کیا یا ڈیم بنا کر ان سے بجلی حاصل کی یا نہریں نکالیں تو اس روکنے کے عمل سے آپ کو کتنے فائدے حاصل ہوئے۔اس رُکنے کے عمل پر غور کرتے چلے جائیں تو آپ کو اس کے بے شمار فائدوں کا علم ہوتا جائے گا۔

بھائیو، بہنو اور بچو۔زندگی میں ہر ایک کامیابی کے حاصل کرنے کے لئے محنت کے علاوہ رُکنے کے عمل کو بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ محض محنت سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔رُکنے کا مطلب ان باتوں سے پرہیز ہے جو آپ کے مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔رُکنے کے عمل کے حوالے سے رمضان کا ہمارے بچوں کے لئے خاص پیغام ہے۔اس مہینہ میں قرآن مجید اُترنا شروع ہوا جس کا پہلا پیغام ہی یہ ہے کہ ''پڑھ'' کیونکہ اس کے ذریعہ ہی تمہیں نہ صرف علم حاصل ہوگا بلکہ وہ علم حاصل ہوگا جو کسی اور طریق سے حاصل نہیں ہوسکتا۔کیا سارا دن وٹس ایپ اور فیس بک سے آپ کو وہ علم حاصل ہوسکتا ہے جو پڑھنے سے ہوتا ہے۔ پڑھنا وہ واحد طریقہ ہے کہ جس کے ذریعہ الفاظ اور خیالات ایک مربوط طریق پر آپ کے دل و دماغ میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ماضی کا علم ہم تک اسی ذریعہ سے پہنچا اور یہی طریق ہے کہ جس کے ذریعہ ہم مزید علم حاصل کرتے ہیں اور اسی علم کو لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔بچوں سے میری گذارش ہے کہ وہ اس پر غور کریں اور ان چیزوں پر وقت ضائع کرنے سے رُک جائیں جو وقتی مزاح یا چھوٹی سی بات تو آپ کو پہنچا دیتی ہے لیکن کوئی ٹھوس علم یا خیال پوری طرح پر نہ بیان کرسکتی ہے۔اور نہ ہی یہ اس کا مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے ذریعہ زندگی کے ہر میدان میں، ہر مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک Training Course کا خاکہ مہیا کیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔اس کو محض فاقہ کرنا نہ سمجھیں۔اس میں آپ کے لئے کامیابیاں حاصل کرنے کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے بتائے

ہوئے طریق کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## ذمہ داریوں کے احساس کے لئے تربیت

روزوں کا ایک اہم اثر جو ہماری سوچ اور عمل پر ہونا چاہیے وہ ذمہ داریوں کا احساس کا پیدا کرنا ہے۔ دراصل زندگی کی سرگرمیوں کے اچھے انجام دہی کے لئے ذمہ داریوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔ جو جتنا ذمہ داریوں کو اچھے طریق پر ادا کرے گا۔ اس کو اتنا ہی اچھا پھل ملے گا۔ یہ عام قائدہ ہے کہ جو شخص اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے اس کو سب لوگ پسند کرتے ہیں اور یہی بات اس کی عزت کا باعث بھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اس کے لئے لفظ ''عہد'' یعنی ''وعدہ'' استعمال کیا ہے اور اس کو پورا کرنے کی بار بار تاکید بھی کی ہے۔

سورۃ مائدہ کی آیت 1 میں ہے: ''جو ایمان لائے ہیں۔ اقراروں کو پورا کریں''۔

سورۃ مومنون کی آیت 8 میں یوں فرمایا: ''کامیاب مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔''

درحقیقت زندگی کی کامیابی کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ آپ میں عہد کا پاس اور ذمہ داری کے ادا کرنے کا زیادہ سے زیادہ احساس کس حد تک ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ذمہ داری کی ادائیگی ہی کسی نظام کی کامیابی کا ضامن ہے، تو یہ غلط نہ ہوگا۔

روزہ کا مقصد ہی کوتاہیوں سے رکنے، ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا احساس اور یہ ایمان پیدا کرنا ہے کہ ہر نیک عمل زندگی اور معاشرے میں اعتماد اور خوشحالی پیدا کرتا ہے اور اس سلسلہ میں کوتاہیاں بداعتمادی اور بدحالی پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس وسیع وعریض تخلیق کے لئے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا تا کہ وہ اس زمین میں اللہ کے حکم کے مطابق نظم وضبط کو قائم کریں۔ اس میں خود انسان کی نہ صرف بھلائی ہے بلکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زمین پر حکمرانی کر سکے۔ لیکن اس بارے میں کوتاہی خود اس کی بربادی کا باعث بن سکتا ہے۔ یہی قرآن مجید کا پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس شاہکار کی سپردکاری کا انسان کو نہ صرف احساس ہونا چاہیے بلکہ شکرگذار بھی ہونا چاہیے۔ اس ذمہ داری کو نباہنے میں اللہ کا ایک ایک عمل پر دس گنا اور کئی معاملات میں اس سے بڑھ کر اجر دینے کا وعدہ بھی قرآن مجید میں درج ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کے ناطے سے ہم مسلمانوں کو اللہ کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا زیادہ احساس کرنا چاہیے۔

## رسول اکرم صلعم کی نہایت پُرحکمت حدیث

دنیاوی زندگی میں ذمہ داریوں کی کیا نوعیت ہے۔ رسول اکرم صلعم نے چند فقروں میں اس کا کیا خوبصورت خاکہ کھینچا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''بخاری میں ابن عمرؓ نے رسول اکرم صلعم سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ آپ صلعم فرماتے ہیں:

''تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ بادشاہ حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل کا حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور نوکر اپنے مالک کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(بخاری 11:11)

رسول اکرم صلعم نے کتنی جامع اور حقیقت پر مبنی بات کو کس سادگی سے بیان کیا ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری بھی یاد دلائی ہے اور اسکی جوابدہی سے بھی خبردار کیا ہے۔ اللہ کرے اس مبارک مہینہ میں ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ تا کہ ہم گھر میں، دفتر میں، اپنے ماحول میں اور پھر اپنے اردگرد رہنے والوں اور تعلق داروں میں، باہم خوشگوار اور انسانی اخلاق کے رویے کو اختیار کریں۔ یہی جنت ہے جس کا مکمل مظاہرہ آخرت میں ہوگا اور جس کی ابتدا اسی زندگی سے ہوتی ہے بشرطیکہ ہم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

☆☆☆☆

# خدا کی وحدانیت کے بعد والدین سے حسنِ سلوک کا حکم

جسارت خانم

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ’’تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کا سلوک کرو اور ان دونوں میں سے کوئی ایک تیرے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہنچے یا دونوں ہی تو انہیں اُف تک نہ کہہ اور انہیں ڈانٹ نہیں اور نرمی اور عزت کے ساتھ مخاطب کر اور ان دونوں کے لئے رحم سے عجز کا پر جھکا دے اور کہہ کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم کر جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری تربیت کی۔‘‘

ایک آدمی نے نبی کریمؐ سے پوچھا: ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔(سنن ابن ماجہ نمبر 3652)

انسان اپنے والدین کا احسان نہیں اُتار سکتا۔حضرت مولانا نور الدینؓ فرماتے ہیں:

’’ماں باپ تربیت کے لئے جس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں، اگر اس پر غور کیا جائے تو بچے پیر دھودھو کر پئیں۔ میں نے چودہ بچوں کا بلا واسطہ باپ بن کر دیکھا کہ بچوں کی ذرا سی تکلیف سے والدین کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ان کے احسانات کے شکریہ میں ان کے حق میں دعا کرو۔میں اپنے والدین کے لئے دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔کوئی ایسا جنازہ نہیں پڑھا ہوگا جس میں ان کے لئے دعا نہ کی ہو۔ جس قدر بچہ نیک ہے ماں باپ کو راحت پہنچتی ہے اور وہ اس دنیا میں بہشتی زندگی بسر کرتے ہیں۔‘‘(اخبار بدر قادیان 24 فروری 1910)

خدا تعالیٰ نے جہاں اپنی توحید کی تعلیم دی وہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بھی فرمایا کہ ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔اور اس احسان کو بھلا کر کبھی اُف نہ کہو۔اور حتی المکان ان کی اطاعت کرو اگرچہ ایسا حکم بھی ہو جو دنیاوی لحاظ سے نقصان دہ ہو اور انسان ناپسند کرتا ہو تب بھی ان کی اطاعت کی جائے۔

حضرت مسیح موعود کی فطرت دین کی خدمت کے لئے وقف تھی اور دنیاداری کے جھمیلوں کا کچھ شوق نہ تھا۔لیکن پھر بھی اپنے والد کے اصرار پر محض اطاعت کے خیال سے ایک عرصہ تک سیالکوٹ میں رہنا پڑا۔اور مقدمات میں ایک لمبا عرصہ گزارنا پڑا۔آپ فرماتے ہیں: ’’وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں‘‘ جو مجھ سے نہیں ہوسکتا تھا مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ کہ دنیا کے لئے بلکہ محض اطاعت کے خیال سے اپنے والد کی خدمات میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا۔

(کتاب البریا صفحہ 183)

مشہور صوفی حضرت محمد علی ترمذی حکیم نے اعلیٰ مذہبی تعلیم کے حصول کے لئے دو طالب علموں کے ہمراہ شہر سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنی والدہ سے اس کا اظہار کیا۔والدہ نے کہا کہ میں ضعیف ہوں مجھ کو اس حالت میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔چنانچہ آپ رُک گئے اور دوسرے ساتھی چلے گئے۔پانچ ماہ بعد آپ گورستان میں بیٹھ کر رونے لگے کہ میں یہاں بے کار ہوں اور میرے ساتھی کل عالم سے ہو کر آئیں گے۔آپ ابھی رو ہی رہے تھے کہ ایک طرف ایک نورانی شکل بزرگ نمودار ہوئے اور آپ سے رونے کا سبب پوچھا۔آپ نے سارا حال سنا دیا۔اس بزرگ نے فرمایا تم کوئی غم نہ کرو اگر تم چاہو تو میں تمہیں روزانہ سبق پڑھا دیا کروں گا۔تا کہ تم ان سے بڑھ جاؤ۔ چنانچہ تین سال تک وہ روزانہ سبق پڑھاتے رہے۔فرماتے ہیں: ’’میں نے یہ دولت والدہ کی رضامندی سے حاصل کی‘‘ (تذکرۃ الاولیاء صفحہ 251 تا 252)

بڑھاپے میں والدین کو ویسی ہی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے جیسی بچے کو بچپن میں ہوتی ہے۔قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء بھی والدین کے لئے دعا کرتے تھے جیسا کہ حضرت نوحؑ کی دعا ہے کہ اے میرے رب مجھے بخش دے

اور میرے والدین کو بھی''۔(سورۃ نوح آیت 29)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ جامع دعا ہے جس کو رسول کریم صلعم نے نماز کی دعاؤں میں شامل فرمایا اور اب ساری امت اس دعا میں مشغول ہے۔

''اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور مومنوں کو بھی جس دن حساب ہوگا''(سورۃ ابراہیم آیت 42)

سورۃ بنی اسرائیل آیت 25 میں خدا فرماتا ہے:

''کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری تربیت کی۔ اس دعا میں خدا نے اولاد پر ذمہ داری ڈال دی ہے جو اس کو والدین کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ ان سے احسان کا سلوک کرو۔ گویا اطاعت ان پر فرض کردی کہ صرف والدین کی ذمہ داریاں پوری کرنا ضروری نہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک بھی ہونا ضروری ہے۔ اور جس طرح انہوں نے ہمیں پالا، ہماری تربیت کی، ہمیں پڑھایا اور انسانیت سکھائی، دنیا میں رہنے کے آداب سکھائے اور زندگی کے سارے اُتار چڑھاؤ بتائے۔ حضرت نبی کریم صلعم سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے پوچھا کونسا عمل خدا کو سب سے محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہاری نماز جو وقت پر پڑھی جائے۔ آپ نے فرمایا اُس کے بعد کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپؐ نے فرمایا:''ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک'' آپؐ نے فرمایا جو آدمی چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کی روزی میں کشادگی ہو اسے چاہیے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے۔(مسند احمد 3 حدیث نمبر 12922)

صرف والدین کی ساری ذمہ داریاں پوری کرنا کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ جس طرح بچپن میں انہوں نے محبت اور شفقت کا سلوک کیا اور ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جاتے۔ خود دُکھ اٹھا کر ہمیں سکھ پہنچاتے۔ ہماری ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔

ایک دفعہ ایک آدمی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے باپ کی شکایت کی کہ وہ جب چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے اس کے باپ کو بلایا۔ وہ لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہنا شروع کیا کہ اے اللہ کے رسول ایک وقت تھا جب یہ کمزور تھا، بے بس تھا اس کے پاس کچھ نہ تھا مجھ میں طاقت تھی میں مال دار تھا۔ میں نے کبھی اپنی چیز لینے سے منع نہیں کیا تھا۔ آج میں کمزور ہوں، خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے اب یہ اپنا مال مجھ سے چھپا کر رکھتا ہے۔ بوڑھے کی بات سن کر رسول اللہ صلعم رو پڑے اور فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے، تیرا فرض اس کے حقوق ادا کرنا ہے۔

سورۃ احقاف آیت 66 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو تاکیدی نصیحت کی کہ والدین سے احسان کرے۔ اسے اس کی ماں نے تکلیف سے اٹھائے رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنم دیا۔ گویا والدین کے حقوق اور حسنِ سلوک کا حکم دیتے ہوئے والدہ کے حقوق کا الگ اور خصوصی ذکر فرمایا۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماں کے قدموں تلے ہے۔ ماں کی خدمت کو اہم قرار دیا۔ ایک شخص رسول پاک صلعم کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلعم مجھے اجازت دیجئے کہ میں فلاں جہاد میں شریک ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ کہا جا اور اس کی خدمت کر کیونکہ اس کے قدموں میں جنت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور عرض کی کہ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے تین بار یہی سوال پوچھا آپ نے تینوں بار یہی جواب دیا کہ تیری ماں۔ چوتھی بار پوچھنے پر آپ نے کہا تیرا باپ اور پھر درجہ بدرجہ دیگر قریبی رشتہ دار۔

ایک صحابی رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور کہا مجھ سے ایک بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میری بخشش ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے۔ کہا نہیں پھر فرمایا کیا تیری خالہ موجود ہے فرمایا اُس سے حسنِ سلوک کر خدا تیرے گناہ بخش دے گا۔

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں:''جس کام کو میں سب سے بعد جانتا تھا وہ مقدم کام تھا یعنی والدہ کی رضا مندی۔ پھر فرمایا اور جس چیز کو میں مجاہدات ریاضت شاقہ میں تلاش کرتا تھا۔ وہ میں نے اپنے گھر میں آسانی سے حاصل کر لی۔ ایک رات والدہ نے پانی طلب کیا میں کوزہ میں سے پانی لینے گیا مگر وہاں پانی نہ تھا۔ گھڑے میں دیکھا وہاں بھی پانی نہ تھا۔ چنانچہ میں نہر سے جا کر پانی لایا۔ مگر میری واپسی تک والدہ سو گئیں۔ میں اسی طرح پانی کا کوزہ لئے کھڑا رہا۔ جب

والدہ بیدار ہوئیں اُنہوں نے مجھے کھڑے دیکھا تو سبب پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس وجہ سے کھڑا رہا کہیں آپ بیدار ہوں پانی طلب کریں اور میں حاضر نہ ہوں۔ اس ڈر کی وجہ سے کھڑا رہا۔ یہ سن کر والدہ نے پانی پیا اور میرے حق میں دعا دی۔

والدین کی خدمت بعض حالات میں حقوق اللہ سے بھی مقدم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت اویس قرنیؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آنے سے اس لئے رُکے رہے کہ والدہ کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کی نیت اور عمل کو خوشنودی سے دیکھا۔ آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے آپ کے اس رحمی تعلق کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت عمرؓ جیسے مقرب صحابی کو فرمایا۔ بہترین تابعی اویس ہے۔ یہ اپنی والدہ کا بہت فرمانبردار ہے۔ اس سے ملو تو استغفار کی درخواست کرنا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ صلعم کے بعض ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مخصوص حالات میں والدین کی خدمت اور اطاعت کو نماز، حج اور جہاد پر بھی اولیت عطا فرمائی۔ ایسی بے شمار مثالیں کہ رسول اللہ صلعم نے حج اور جہاد پر جانے کی اجازت کی بجائے ماں کی خدمت کرنے کے لئے کہا۔ بعض اوقات ایسے بھی ہے کہ اولاد حج کی نیت رکھے ہوئے بھی حج نہ کر سکتی ہو تو اللہ اس کو حج کا ثواب دے گا۔ جس طرح حضرت اویس قرنی کی والدہ جب تک زندہ رہیں آپ رسول اللہ صلعم کی زیارت بھی نہ کر سکے اور نہ ہی حج کر سکے۔ صرف اپنی والدہ کی تنہائی کے خیال سے آپؑ نے حج والدہ کی وفات کے بعد کیا۔ اسی طرح ابو ہریرہؓ نے بعد میں حج کیا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو والدین کی اطاعت اور ان کی خدمت کی توفیق دے اور اپنے والدین کی نیکیوں کو یاد کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلیں۔ اور نیکیوں میں ان سے سبقت لے جائیں۔ اور ایسے اعمال بجا لائیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔ اور وہ ہم سے راضی ہو جائے۔ خدا اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے دین اور دنیا میں سرخروئی ہے۔

☆☆☆☆

# درخواست مطلوب

## برائے ''امین'' (اکاؤنٹنٹ)

تمام احباب جماعت کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دفتر احمدیہ انجمن لاہور کے مالی معاملات کو سنبھالنے کے لئے ایک عدد ''امین'' کی نشست خالی ہے۔

ایسے احباب جماعت کی درخواستیں مطلوب ہیں جن کی کم از کم تعلیمی قابلیت B.com ہو اور وہ مالیات کے شعبہ کو بخوبی سمجھتے ہوں۔

ایسے احباب جلد از جلد اپنی درخواستیں سیکرٹری احمدیہ انجمن لاہور کو بمع کوائف ارسال فرمائیں۔

جنرل سیکرٹری

احمدیہ انجمن لاہور

# تقویٰ کی تعریف، اہمیت وفضیلت اور رمضان اس کے حصول کا ذریعہ

فضل حق (اسسٹنٹ سیکرٹری II)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے روزے ضروری ٹھہرائے گئے ہیں جیسے کہ ان لوگوں کے لئے ضروری ٹھہرائے گئے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو'' (183:2)

قرآن مجید میں بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آیت بالا میں بھی روزوں کا جو مقصد بتایا گیا ہے وہ بھی تقویٰ بتایا گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ سمجھا جائے کہ آخر یہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ و۔ق۔ی ہے۔ اسی سے وقایہ ہے۔ جب وقی الشی کہا جائے تو مراد اس سے یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی حفاظت کرنا، نگہبانی کرنا اسے مضر اور تکلیف دہ چیز سے بچانا۔ اسی سے ''واق'' یعنی بچانے والا بنا ہے جیسے قرآن شریف میں کافروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے لئے کوئی ''واق'' یعنی بچانے والا نہیں۔ (13:37) اسی لئے تقویٰ کے معنی میں بچاؤ، حفاظت، ڈرنے، بچنے اور چھوڑ دینے کے معنی شامل ہیں۔

تقویٰ کی ایک تعریف جو صحابی رسولؐ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروقؓ کے دریافت کرنے پر بیان فرمائی تھی اس طرح ہے: حضرت ابی بن کعبؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کبھی کانٹوں والے راستوں پر نہیں چلے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا: کہ اس وقت تمہارا عمل کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اپنے کپڑے سمیٹ لیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ میرا دامن کانٹوں میں نہ الجھ جائے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا: بس یہی تقویٰ ہے۔

عربی زبان اپنے اندر بہت زیادہ معنوی وسعت رکھتی ہے۔ عربی کے الفاظ اپنے اندر کئی معنی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں دوسری زبانوں میں ان کا ٹھیک ٹھیک مترادف اور ہم معنی لفظ ڈھونڈنا ناممکن امر ہے۔ اس لئے ترجمہ کے وقت مفہوم بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اوپر بیان کردہ معنوں کو سامنے رکھتے ہوئے مترجمین قرآن نے متقی کے معنی، نیک عمل کرنے والا'' خدا سے ڈرنے والا، گناہ سے بچنے والا، اللہ کی محبت اور خوف کا احساس دل میں رکھنے والا، وغیرہ کیے ہیں اور یہ سب کے سب متقی کے لفظ کے مفہوم ہیں مترادف نہیں۔ حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ نے جو ترجمہ متقی کا کیا ہے اس میں تقریباً ساری کی ساری باتیں ہی آجاتی ہیں جو متقی کے مفہوم کو واضح کرتی ہیں۔ آپ اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن میں اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"He who is careful of his duties"

یعنی ایسا شخص جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملے میں محتاط رویے کا حامل ہو یعنی متقی وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی حق تلفی سے اپنے آپ کو بچالے اور قرآن کے مطابق اس کا یہ رویہ اس کی ساری زندگی پر محیط ہو جیسا قرآن مجید میں آتا ہے کہ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو'' (102:3)

اس آیت میں اتقو اللہ کے معنی ہیں کہ اللہ کے احکامات اور اس کے فرامین کی پیروی کرو اور پیروی بھی کیسی؟ حق تقتہ جیسا کہ پیروی یا فرمانبرداری کا حق ہے یعنی اتنی انتہائی فرمانبرداری کہ اس سے زیادہ ممکن نہ

ہو۔انگلش میں اس کیفیت کو Utmost کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے۔اس کے متعلق مزید فرمایا کہ ایسی فرمانبرداری زندگی میں صرف ایک آدھ بار ہی نہیں بلکہ مرتے دم تک کرنا ہوگی ولا تموتن الا وانتم مسلمون (102:3)

یعنی ان ساری باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں نفسانی خواہشات پر عمل نہ کرنا، اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس کرتے ہوئے گناہوں سے اجتناب کرنا، پرہیز گاری اختیار کرنا، بُرے کاموں، بےحیائی اور بیہودہ باتوں سے نفرت کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریوں اور Responsibilities کو ادا کرنا اور Dituful ہونا سب تقویٰ کے اندر داخل ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ سب کچھ انسانی ذات میں پیدا ہونے کے بعد آن کی آن میں ختم نہ ہوجائے بلکہ انسان کی پوری زندگی کا خاصہ اور اس کی شخصیت کا حصہ اور فطرت ثانیہ بن جائے۔اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی باور رہے کہ صرف نماز اور دوسری رسمی عبادات کو ادا کرنا ہی تقویٰ نہیں بلکہ جو ذمہ داریاں ایک انسان پر عائد ہوتی ہیں خواہ وہ ذمہ داری بحیثیت ایک باپ کے، ماں کے، بیٹے کے، شوہر کے، بیوی کے یا باقی کسی بھی شعبہ زندگی کی حیثیت سے ذمہ داری ہے اس کو ادا کرنا تقویٰ ہے۔ آپ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔آپ اگر اُن ذمہ داریوں کی ادائیگی کا حق ادا کر رہے ہیں تو آپ تقویٰ کی راہ پر چل رہے ہیں۔

تقویٰ انسانی زندگی کا شرف ہے۔یہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے ذریعے علم، روحانی ترقی، کامرانیاں اور قرب الٰہی کا حصول آسان ہوجاتا ہے۔قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تقویٰ کے ذریعے خیر و برکت، اجر وثواب، نیک بختی اور سعادت مندی کا حصول آسان ہوجاتا ہے۔

دراصل تقویٰ ایک سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر انسان اپنے محبوب حقیقی کو پالیتا ہے اور اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کرلیتا ہے یہی وجہ ہے قرآن کریم نے تقویٰ پر بہت زور دیا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاں متقی کو سب سے زیادہ معزز اور مکرم قرار دیا ہے۔

دین اسلام میں تقویٰ کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت ہے، اس کا مقام بہت ہی ارفع اور اعلیٰ ہے۔اس کا حکم خود اللہ رب العالمین نے اگلوں اور پچھلوں کو دیا ہے اور اس کی نصیحت اور وصیت اس نے بذات خود تمام قوموں کو کی ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم نے ان کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی یہی حکم دیا کہ اللہ کا تقویٰ کرو''

دین اسلام میں مسلمان بندوں کے درمیان بزرگی و برتری کا صرف ایک معیار ہے اور وہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر ہم نے تم کو مختلف قبیلوں و قوموں میں تقسیم کردیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ کرنے والا ہے۔یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے''(الحجرات:14)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ تم سب کا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے اور تمہارا نبی ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے۔اسی طرح کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے مگر صرف تقویٰ سے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک فضیلت، بزرگی اور برتری کا صرف ایک ہی معیار اور پیمانہ ہے اور وہ صرف تقویٰ ہے۔اللہ کے ہاں قومیت، رنگ، زبان، ثروت و دولت، فقر، غربت، خاندان، حسب و نسب وغیرہ کا کوئی رُتبہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی قیمت ہے اور نہ ہی کوئی

بھی انسان ان کی بنیاد پر جنت میں داخل ہوگا اور نہ ہی اللہ کا محبوب ہوگا، اللہ کا محبوب صرف اور صرف وہی ہے جو تقویٰ والا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف انبیاء نے اپنے ماننے والوں کو جو وصیت و نصیحت کی وہ توحید کے بعد تقویٰ ہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اُمت کو تقویٰ ہی کی نصیحت فرمائی۔ جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی کریم صلعم سے کوئی نصیحت فرمانے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ **اوصیک بتقوی اللّٰہ فانہ راس کل شیٔ** یعنی میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ وہی ہر چیز کا اصل ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

ایک مومن کی ساری کی ساری زندگی کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کو ڈھال بنالیتا ہے۔ ہر قسم کے خطرات، ہر قسم کے ظاہری و باطنی شر اور فساد اور نقصان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے کیونکہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر قسم کے نقصانات سے بچاسکتی ہے اور وہی ہے جس کی امان میں آکر انسان ہر قسم کی راحت اور سرور حاصل کرسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ان اللّٰہ مع الذین اتقوا** یعنی خدا ان کے ساتھ ہے جو متقی ہیں'' (النحل: 129)۔ جن کو اللہ کی معیت حاصل ہو جائے وہ دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

ایک شفیق ماں اپنے بچے کو اچھے اور مفید کاموں کی اہمیت اور نتائج بتا بتا کر انہیں کرنے کی ترغیب دیتی ہے ٹھیک اسی طرح خدائے رحمٰن جس کی رحمت کی کوئی انتہاء نہیں، نیکی اور نیک اعمال کی تلقین کے بعد اپنے بندوں سے یہی کہتا ہے: ''تو پھر تم متقی کیوں نہیں بنتے''۔

کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ آخر وہ کونسی بات یا وہ کونسے اسباب ہیں جو انسان کو بے اختیار کسی چیز کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، انسان کی بنیادی ضرورتیں، اس کی کمزوریاں، اس کی خواہشیں ہی وہ محرکات اور اسباب ہیں جو اسے دوسروں کی طرف لے جاتے ہیں، ان چیزوں کے حصول کے لئے نہ معلوم کہاں کہاں جا پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا اکیلا خالق و مالک ہے اور جس کے دست قدرت میں سارے خزانے اور ساری طاقتیں ہیں وہ اپنے متقی بندے کو یہ خوشخبری دیتا ہے ''اے میرے بندے! اگر تو تقویٰ اختیار کرے گا تو دوسرے متقیوں کی طرح تو بھی میرا محبوب بن جائے گا'' ظاہر ہے کہ جس سے اللہ پیار کرنے لگ جائے اس سے کونسی نعمت چھپا رکھے گا۔ تو پتہ لگا کہ تقویٰ کا پہلا انعام محبوب الٰہی بننا ہے اور محبوب الٰہی بن کر انسان اللہ کے دوسرے محبوبوں سے جاملتا ہے جن میں انبیاء، شہداء، صدیق اور صالحین شامل ہیں۔ ان نیک انسانوں کی رفاقت ایک بہت بڑا انعام ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے سے خدا اپنے قرب کے نشانات انسان پر ظاہر کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ آیت کریمہ میں فرماتا ہے کہ: ''ان کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں بشارات سے نوازا جاتا ہے'' (سورۃ یونس 65) یعنی تقویٰ ہی سے انسان اللہ کا ولی بن جاتا ہے۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جو متقی ہوتے ہیں ان کو اسی دنیا میں بشارتیں، سچے خوابوں کے ذریعے ملتی ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر وہ صاحب مکاشفات ہو جاتے ہیں، مکالمۃ اللہ کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ وہ بشریت کے لباس میں ہی ملائکہ کو دیکھ لیتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 15)

جیسے ایک دوست دوسرے دوست کی بات سنتا ہے اسی طرح اللہ بھی اپنے متقی بندے کی بات سنتا ہے اور اس سے دوستانہ سلوک کرتا ہے۔ تقویٰ کا ایک اور انعام فرقان ہے یعنی حق اور ناحق کے درمیان فرق۔ متقی کی سوچ اور سمجھ کو اتنی وسعت دے دی جاتی ہے کہ وہ بڑی آسانی سے غلط اور صحیح، جائز اور ناجائز کے بیچ فرق کر لیتا ہے۔

انسان کی عزت و تکریم کا ایک نمایاں پہلو علم و عرفان ہے۔ انسان جتنا

زیادہ علم وعرفان میں بڑھ جائے گا اتنا ہی زیادہ قابل تعریف اور قابل عزت ہوجائے گا۔اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندے کوخوشخبری دیتا ہے کہ اللہ کا تقویٰ کروو ہ تمہیں علم عطا کرے گا۔اورتم ان باتوں اورقدرت کے ان رازوں کو سمجھنے لگ جاؤ گے جو دوسروں کی سمجھ سے پرے ہوں گے ۔انسان رزق کی تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا نہیں پھرتا،لیکن متقی کے ساتھ اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ متقی رزق کے معاملے میں کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔کیونکہ اللہ نے متقی سے یہ وعدہ کررکھا ہے کہ اللہ اس کے رزق کا انتظام ایسی جگہ سے کردیتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتی۔''

حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام نے فرمایا:

''لوگ بہت سے مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں لیکن متقی بچائے جاتے ہیں۔بلکہ ان کے پاس جو آتا ہے وہ بھی بچایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔جوشخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر ایک بلا اور الم سے نکال لیتا ہے اور اس کے رزق کا خود کفیل ہوجاتا ہے۔اور ایسے طریق سے دیتا ہے کہ جو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔'' (ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۵۴)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متقی کے اوپر ہونے والے مختلف انعامات کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے،ان کی مختصر تفصیل یہ ہے:

ہدایت ملتی ہے۔(سورۃ البقرہ:۲)

ایسا علم ملتا ہے جس کے ذریعہ حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔(سورۃ الانفال:۲۹)

غم دور ہوجاتے ہیں اور وسیع رزق ملتا ہے۔(سورۃ الطلاق:۲۔۳)

اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔(سورۃ النحل:۱۲۸)

اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔(سورۃ جاثیہ:۱۹)

اللہ کی محبت ملتی ہے۔(سورۃ التوبہ:۷)

دنیاوی امور میں آسانی ہوتی ہے۔(سورۃ الطلاق:۴)

گناہوں کی معافی اور اجر عظیم کا حصول ہوتا ہے۔(سورۃ الطلاق:۸)

نیک عمل کی قبولیت ہوتی ہے۔(سورۃ المائدہ:۲۷)

کامیابی حاصل ہوتی ہے۔(سورۃ آل عمران:۱۳۰)

اللہ کی جانب سے خوشخبری ملتی ہے۔(سورۃ یونس ۲۶۔۶۴)

جہنم سے چھٹکارا مل جاتا ہے،جو انتہائی بُرا ٹھکانا ہے۔(سورۃ مریم:۷۱و۷۲)

ہر انسان کی سب سے بڑی خواہش جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔(سورۃ ن:۳۴)

زیر بحث آیت میں صیام کو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ صوم سے اللہ کی ذات پر یقین مضبوط ہوتا ہے۔اور یہ احساس کہ اللہ کی ذات اس کے ہر ہر معاملے اور عمل سے واقف ہے انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا موجب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مخلوق الٰہی کی ہمدردی اور ان کے دُکھوں اور تکلیفوں کا احساس بھی روزہ سے پیدا ہوتا ہے۔تقویٰ کے حصول میں رمضان کے روزے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔کیونکہ روزہ کے اندر انسانی فلاح وبہبود کے وہ تمام پہلو پائے جاتے ہیں جو دوسرے ارکانِ اسلام میں جزواً موجود ہیں۔

لیکن صرف روزہ رکھنے اور قیام اللیل کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ غفلت کے پردوں کو دل سے دور کیا جائے،گذشتہ گیارہ مہینوں میں جو گناہ ہوئے ان کو معاف کرا کر آئندہ گیارہ مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ گناہ نہ کرنے کا داعیہ اور جذبہ دل میں پیدا کیا جائے،اور انہی کو''تقویٰ'' کہا جاتا ہے۔اس طرح رمضان المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار وبرکات حاصل ہوں گے،ورنہ یہ ہوگا کہ رمضان المبارک آئے گا اور چلا جائے گا اور اس سے صحیح طور پر ہم فائدہ

نہیں اٹھا پائیں گے بلکہ جس طرح ہم پہلے خالی تھے ویسے ہی خالی رہ جائیں گے۔ اس لئے چند ایسی چیزیں ہیں جن پر عمل کر کے ہمیں روزے کا مقصد (تقویٰ) اور رمضان المبارک کے انوار و برکات حاصل ہوں گے ، انشاءاللہ تعالیٰ۔

رمضان المبارک کی برکتوں کو حاصل کرنے کے لئے اپنی عبادت کی مقدار میں اضافہ کرنا ہے، دوسرے ایام میں جن نوافل کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی ان کو اس مبارک ماہ میں پڑھنے کی کوشش کریں ۔سحری کھانے کے لئے اُٹھنا ہی ہے تو چند منٹ پہلے اُٹھ کر کم از کم چار رکعت تہجد پڑھ لیں ۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث میں ہے :اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد (مسلم شریف حدیث ۱۱۱، باب مایقال فی الرکوع والسجود) یعنی بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے ،تو گویا نماز کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک عظیم تحفہ عطا کیا ہے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام کرنا ہے، کیوں کہ رمضان المبارک کے مہینے کو قرآن کریم کے ساتھ خاص مناسبت اور تعلق ہے، اسی مہینے میں قرآن کریم نازل ہوا، ارشاد مبارک ہے :شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے ۔ (بخاری شریف ۱/۳، حدیث ۲) تمام بزرگان دین کی زندگیوں میں یوں تو قرآن کریم میں اشتغال بہت زیادہ نظر آتا ہے لیکن رمضان المبارک کا مہینہ آتے ہی تلاوت کے معمول میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا۔

تیسرا کام یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنی ہے، حضرت کعب بن عجرہؓ سے مروی مشہور حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی پہلی ، دوسری اور تیسری سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے ''آمین'' فرمایا، صحابہ کرامؓ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل امین علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے اور جب میں نے منبر کے پہلے زینے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی ، میں نے کہا آمین ۔الیٰ آخر الحدیث (مستدرک حاکم ۴/۱۷۰، کتاب البر والصلۃ ،الترغیب والترہیب ۲/۵۶)

ظاہر ہے کہ اس شخص کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے جس کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام بددعا کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہیں ، اس لئے اس مبارک مہینے میں نہایت کثرت کے ساتھ گڑگڑا کر اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرے۔

رمضان المبارک کی برکات کو حاصل کرنے کے لئے دعاؤں کا اہتمام بھی لازم ہے، بہت سی روایات میں روزے دار کی دعا کے قبول ہونے کی بشارت دی گئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی (ضرور قبول ہوتی ہے ) ایک روزے دار کی افطار کے وقت ، بہر حال یہ مانگنے کا مہینہ ہے، اس لئے جتنا ہو سکے دعا کا اہتمام کیا جائے ، اپنے لئے ، اپنے احباب اور رشتے داروں کے لئے ، اپنے متعلقین کے لئے ، ملک وملت کے لئے اور عالم اسلام کے لئے خوب دعائیں مانگنی چاہئیں، اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔

رمضان المبارک میں نفلی صدقات بھی زیادہ سے زیادہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے، حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا دریا پورے سال ہی موجزن رہتا تھا، لیکن ماہِ رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے جھونکے مارتی ہوئی ہوائیں چلتی ہیں (بخاری شریف ۱/۳) جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا اس کو ضرور نوازتے ۔ لہذا ہم کو بھی اس بابرکت مہینے میں اس سنت پر عمل کرتے ہوئے صدقات کی کثرت کرنی چاہیے۔

رمضان المبارک میں خاص طور پر گناہوں سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے، ہر مومن کو یہ طے کر لینا چاہیے کہ اس برکت ورحمت اور مغفرت کے مہینے میں آنکھ، کان اور زبان غلط استعمال نہیں ہوگی ، جھوٹ ،غیبت ، چغل خوری اور فضول

باتوں سے مکمل پرہیز کرے، کھانا پینا اور جماع جو حلال تھیں ان سے تو اجتناب کرلیا لیکن مجلسوں میں بیٹھ کر کسی کی غیبت ہورہی ہے، چغل خوری ہورہی ہے، جھوٹے لطیفے بیان ہورہے ہیں، اس طرح روزے کی برکات جاتی رہتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کام اور باطل کلام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے، اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ کی باتیں اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پرواہ نہیں۔

تقویٰ کے حصول کے لئے مومن کو جو ذرائع اللہ کی طرف سے ودیعت کیے گئے ہیں ان میں سے رمضان کا مہینہ سب سے موزوں ہے۔ آنحضرتؐ نے صوم یا روزے کو ڈھال قرار دیا ہے۔ یعنی روزہ تقویٰ کی وہ شیلڈ ہے جو گناہ سے حفاظت کے کام آتی ہے۔ تو رمضان کی برکت سے حفاظت کا جو حصارِ تقویٰ ہم اپنے گرد قائم کرتے ہیں۔ رمضان کے بعد اس حفاظتی حصار کو توڑنا نہیں چاہیے بلکہ اور مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر رمضان کو ایک بیج سے تشبیہ دیں تو تقویٰ اس بیج سے پھوٹنے والا وہ پودہ ہے جس کو ارتقاء کی منزلیں طے کرتے ہوئے پھلنا پھولنا اور تناور درخت بننا ہے۔

رمضان میں تو انسان تقویٰ اختیار کرتا ہی ہے دیکھنا یہ ہے کہ رمضان کے بعد اس کا اثر کیسے ہماری زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ اس تقویٰ کی جھلک ہمارے اعمال و افعال میں نظر آنی چاہیے۔ ہم اس رمضان کی برکت سے شیطان سے ناطہ توڑنے والے اور رحمان سے ناطہ جوڑنے والے بن جائیں اور یہ بات تقویٰ کو چاہتی ہے۔ یاد رکھیں کہ جو تقویٰ کے لباس کی زینت اختیار کرے گا وہی خدا کی بادشاہت میں داخل ہوجائے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے والوں میں سے بنادے۔

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

# روزہ سے تزکیہ نفس ہوتا ہے

## روزہ دار کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے

''۔۔۔پھر تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کو کہاں بیان کرسکتا ہے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی حقیقت اور اس کا اثر جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدّنظر رکھنا چاہیے کہ اس کا اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اس کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے۔ دوسری روٹی کو حاصل کرے جو رُوح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح و تہلیل میں لگے رہیں جس سے دُوسری غذا انہیں مل جاوے۔''

☆☆☆☆

# احمدیت اسلام کی بہترین شکل

زینب احمد

اللہ وحدہ لاشریک کا جتنا شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ جس نے ہمیں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا کیا اور ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ سعادت بھی بخشی کہ ہم زمانے کے مجدد کو پہچانیں۔ میں اکثر یہ سوچتی تھی کہ ہم میں اور باقی مسلمانوں میں کیا فرق ہے۔ وہ کیا چیزیں ہیں جو ہمیں ان سے ممتاز بناتی ہیں۔ ہم بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں جو وہ پڑھتے ہیں، ہم بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جیسے وہ پڑھتے ہیں، ہمارا روزہ، زکوٰۃ، حج پر بھی وہی ایمان ہے جو ان کا ہے۔ ہم بھی حضور صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں اور وہ بھی۔ تو وہ ایسی کیا چیزیں ہیں جو ہمیں ان سے منفرد اور ممتاز بناتی ہیں۔ مجھے غور کرنے پر اس بات کا ادراک ہوا کہ جماعت احمدیہ لاہور میں ہونے کے بہت سے فائدے ہیں جن سے باقی لوگ محروم ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ اس جماعت کا تو یہ ہے کہ ہمارے اعتقادات باقی مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت صاف اور واضح ہیں۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے ہر چیز کو فکر و تدبر اور عقلی دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔

ہمارے بچوں کا علمی و فکری معیار بھی تربیتی کورس میں شمولیت کی وجہ سے اتنا بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے دلائل کے ساتھ بات کر سکتے ہیں۔ انہیں اس بات کا قائل کر سکتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ان سے واضح اور بہتر ہے۔

سب سے پہلے اگر ہم دیکھیں تو مسلمانوں کے تمام گروہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ختم نبوت پر عقیدہ درست ہے۔ مگر دوسری طرف وہ مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی واپس آنا۔ ایک گروہ کا تو یہ بھی ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو گئے ہیں مگر نبوت کا دروازہ کھلا ہے اور نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو جماعت احمدیہ لاہور کا عقیدہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے کیونکہ ہمارا ماننا ہے کہ حضور صلعم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ نیا نہ پرانا۔

قرآن مجید جو ہمارے لئے واحد سرچشمہ ہدایت ہے جس سے تمام مسلمان محبت کا دم بھرتے ہیں اور اس سے عشق کرتے ہیں مگر جب بات فہم القرآن کی آتی ہے تو کوئی 5 آیات منسوخ کرتا ہے تو کوئی 500۔ اس حساب سے بھی ہماری جماعت بہترین ہے کیونکہ ہم قرآن کی ہر آیت بلکہ ہر ایک لفظ کو نافذ العمل سمجھتے ہیں اور اگر ہمارا ترجمہ اور تفسیر قرآن بھی دیکھا جائے تو اس میں ہر آیت کے نافذ العمل ہونے اور ناسخ و منسوخ سے پاک ہونے کی دلیل اور وضاحت موجود ہے۔

جب ہم دوسرے مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں دلی طور پر رنج ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہہ رہا ہے۔ کوئی Acceptance نہیں ہے دوسروں کے عقائد کی۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات پر ایک دوسرے پر تنقید کرتے، کافر کہتے، گالی گلوچ کرتے یہاں تک کہ قتل و غارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت سب مسلمانوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں فکری آزادی رکھنے کی حامی ہے۔ ہمارا ماننا ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور باقی تمام عقائد اور چیزیں پھر اس کے بعد آتی ہیں۔

آگے چلتے ہوئے جب ہماری نظر دفاع اسلام پر پڑتی ہے تو اس میں بھی جماعت احمدیہ پیش پیش نظر آتی ہے جب سکھوں نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو رد کیا تو حضرت صاحب نے بڑی خوبصورتی سے یہ ثابت کیا کہ بابا گرونانک جن کو سکھ مانتے ہیں وہ مسلمان تھے اور ان کے چوغے پر قرآنی آیات لکھی تھیں جس سے سکھ مت کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب ہندوؤں نے اعتراضات کیے تو تب بھی ہماری جماعت ایک ڈھال کی طرح کھڑی نظر آتی ہے۔ جب منکرین حدیث کا فتنہ شروع ہوا تب بھی ابھی

باقی مسلمان سوچ ہی رہے تھے کہ اس کو کیسے رد کیا جائے تب تک ہمارے بزرگ کئی کتابیں لکھ چکے تھے۔

برصغیر میں جب مسلمان سکھ ہور ہے تھے عیسائی اور ہندو ہو رہے تھے تو امت مسلمہ پریشان تھی کہ اس مسئلے کا سد باب کیسے کیا جائے تو جماعت احمدیہ نے قلم وعمل کے ذریعہ اسلام کو ان مسائل سے نکالا اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے قرآن کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے اسلام کو تقویت پہنچانے کا موجب بنے۔ بلکہ مولانا محمد علیؒ نے انگلش ترجمۃ القرآن کر کے مغرب میں اسلام کی جانب ایک دروازہ کھول دیا۔

ہمارے مسلمان بھائیوں نے اسلام میں اتنے اضافے اور اتنی تبدیلیاں کر دی ہیں کہ بعض اوقات ہم پریشان ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے کونسی ہماری آپ کی بنائی ہوئی ہیں اور کونسی اسلام نے ہم پر فرض کی ہے۔ اس کی مثال ہمیں شادیوں اور جنازوں پر جا کر ملتی ہے جہاں بہت سی نئی رسومات ہمیں نظر آتی ہیں۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ تم قرآن کو عزت دو گے تو قرآن تمہیں عزت دے گا۔ اور قرآن ہی ہمارے لئے واحد سرچشمہ ہدایت ہے۔

پھر بھی چند لوگ یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ ہمیں اس جماعت کا کیا فائدہ ہے اور ہمیں اس جماعت نے آج تک کیا دیا ہے۔ تو میرے خیال میں اس جماعت میں ہونا ایک بہت بڑی خیر ہے اور اس کا فائدہ سب سے زیادہ ہمیں کو خود ہے۔ اگر آج ہم جماعت چھوڑ دیں تو جماعت کو کوئی نقصان نہ ہوگا مگر ہم اس سے منسلک برکات سے محروم ہو جائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ ہمیں جماعت سے تعلق قائم رکھنے اور بہترین مسلمان بننے کی توفیق دے۔ آمین

☆☆☆☆

## بقیہ برلین رپورٹ

اور محترم ظفر اقبال صاحب مرحوم کی فیملی کے پاس قیام کیا۔ ظفر اقبال صاحب مرحوم ماضی میں مختلف اوقات میں کئی مرتبہ مسجد برلین کی امامت اور نگرانی کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اس قیام کے دوران انہیں ہائیڈل برگ یونیورسٹی بھی جانے کا موقع ملا۔ اسی یونیورسٹی سے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ظفر اقبال صاحب مرحوم کے خاندان کے افراد کی ایک محفل میں عامر عزیز صاحب نے ''اسلام میں علم کے حصول کی اہمیت'' پر مختصر تقریر کی۔ برادرم سلیم صاحب اور ان کی اہلیہ سمیرا صاحبہ نے نہ صرف عامر عزیز صاحب اور ان کی صاحبزادی کی خاطر تواضع کی بلکہ ان کو کئی تاریخی اور خوبصورت مقامات کی سیر بھی کروائی۔ جس کے لئے عامر صاحب نے ان کا بے حد شکریہ ادا کیا۔

25 اپریل۔ مختلف تمدن اور تہذیبوں میں میل جول کے لئے ''وزارت برائے تمدن اور ورثہ'' نے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں برلین کی تمام مسلمانوں تنظیموں کے نمائندوں کو بلایا گیا تھا کس طرح مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی نمائش کے دن کو منایا اور کامیاب بنایا جائے۔ نمائندوں نے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں جن پر غور کے بعد ایک تفصیلی پروگرام مرتب کیا جائے گا۔

### آئی جی اے تنظیم کی طرف سے ایک اہم کتاب کا تعارفی پروگرام

30 اپریل۔ ایک ادبی تنظیم کے آئی جی اے نے ایک اہم کتاب کے تعارف اور اس سے اہم اقتباسات پڑھنے کے سلسلہ میں برلین مسجد میں ایک پررونق تقریب منعقد کی۔ اس موقع پر رنیارڈ نومن، ڈسٹرکٹ میئر کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا جس میں انہوں نے ایسی تقریبات کے انعقاد کو علم کی ترویج کے لئے نہایت مفید قرار دیا۔ اس تنظیم کے ڈائریکٹر نے بھی اس موقع پر مختصر خطاب کیا۔ امام مسجد برلین نے اس موقع پر مسجد برلین کی تاریخ اور سرگرمیوں کا پاور پوائنٹ کے ذریعہ تعارف پیش کیا۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی اور مصنف جناب ایگل ایویدن نے اپنی کتاب میں سے اہم اقتباسات سنائے اور کتاب کے بارے میں لوگوں کے سوالات کے جوابات اور وضاحتیں کیں۔ اسی قسم کی دو اور تعارفی تقریبات آئندہ بھی مسجد میں منعقد ہوں گی۔

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد، ایم۔اے

# برلین مسجد میں سرگرمیاں

## رپورٹ ماہِ اپریل 2018ء

از: عامر عزیز، ایم اے (امام، برلین مسجد)

**13 اپریل۔** بہائی تنظیم کی طرف سے ایک بین المذاہب پروگرام کا انعقاد ہوا جس میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کو ''اسلام میں خدا کے تصور'' کے موضوع پر خیالات کے اظہار کرنے کی دعوت دی گئی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے بڑے خوبصورت اور مدلل انداز میں قرآن مجید کے حوالے سے اس موضوع پر تقریر کی، جس کو سامعین نے سراہا۔ اس پروگرام میں ہندومت، عیسائیت، بہائی اور یہودی مذہب کے لوگوں نے شرکت کی۔

### بزم ادب برلین کا محترمہ عاصمہ جیلانی مرحومہ کو خراج عقیدت

**14 اپریل۔** بزم ادب، برلین نے اپنے ایک خصوصی پروگرام میں محترمہ عاصمہ جیلانی مرحومہ، پاکستان کی چوٹی کی وکیل اور انسانی حقوق کے لئے بے خوف اور بین الاقوامی سطح پر آواز اٹھانے والی خاتون کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس اجلاس میں امام مسجد برلین عامر عزیز صاحب، محترمہ خالدہ بداللہ صاحبہ سرینام سے اور پاکستان سے حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب نے شرکت کی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بے لوث خدمات کو بڑے جذباتی انداز میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اور ان کی اچانک موت پر ذاتی صدمہ اور دُکھ کا اظہار کیا۔ بزم کے دوسرے ممبران نے بھی محترمہ مرحومہ کی خدمات کو مظلوم طبقہ بطور خاص خواتین کے حقوق اور ان پر ہونے والے مظالم اور بے انصافیوں کے لئے ان کی جوانمردی اور خدمات کو بے مثال قربانی قرار دیا۔

### برلین مسجد میں حضرت امیر ایدہ اللہ کی آمد اور مسجد کی مرمت اور بیرونی تزئین کے کام کی تکمیل

**17 اپریل۔** اس تقریب کی ابتداء تلاوت قرآن مجید سے ہوئی جو محترمہ خالدہ بداللہ صاحبہ نے نہایت خوش الحانی سے کی اور اس کا ترجمہ جرمن زبان میں سنایا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک موقع پر ایک مختصر لیکن جذبہ سے بھرپور خطاب کیا۔ مسجد کی مختصر تاریخ دہرائی اور جن لوگوں نے اور اداروں نے اس کی تعمیر اور اب تک کے مرمت کے کاموں میں مالی اور اخلاقی تعاون کیا، ان کا شکریہ ادا کیا اور جرمنی میں اس مسجد کے ذریعہ مختلف مذاہب میں باہم رواداری کی ترویج کے لئے اور تینوں بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے ان بنیادی عقاید کی ترویج کا قرآن مجید کے حوالے سے ذکر کیا۔ اسلام نہ صرف ان تمام آفاقی تعلیمات کا ذکر کرتا ہے بلکہ مسلمانوں کو ان کے ایمانیات کا حصہ بنانے کو فرض قرار دیتا ہے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا بطور خاص ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جرمنی میں جنگ عظیم دوم کے دوران اس گھر کو معجزانہ طور پر بچایا۔ کیونکہ یہی گھر اللہ کے اس سچے پیغام کی تبلیغ کر رہا تھا جو اس غرض کے لئے تعمیر کی گئی تھی۔

اس کے بعد برادرم عامر عزیز صاحب، امام مسجد برلین نے اس کی مختصر تاریخ اور گذشتہ چند سالوں میں اس کی نمایاں کارکردگی کی تفصیل پیش کی۔ اس کے بعد تعمیراتی کمپنی کے آرکیٹیکٹ جناب مارکس نیشکے نے مکمل ہونے والی تعمیراتی اور تزئینی کام کی تفصیل بتائی اور آئندہ کے لئے مسجد کی اندرونی تزئین اور امام ہاؤس کے لئے تعمیراتی پلان کی چیدہ چیدہ باتوں کا ذکر کیا۔ بعد ازاں رومن کیتھولک چرچ، رومن کیتھولک اکیڈمی برلین کے نمائندوں اور ڈینش چرچ کے پادری صاحب نے مسجد کی نئی صورت کی تعریف کی۔ اسی طرح لانگ نائٹ آف ریلیجنز کے انچارج، یہودی کمیونٹی کے سربراہ، ایچ ڈبلیو پی ایل کی بین الاقوامی مذہبی تنظیم اور بزم ادب، برلین کے نمائندوں نے بھی مسجد کی خوبصورتی اور تزئین کے کام کی تعریف کی۔ انہوں نے لاہور تحریک احمدیہ کے اس مرکز کے اسلام کے بارے میں تعمیری کام کو بھی سراہا۔ مسجد برلین کے ایک ہمسایہ نے مسجد کی ایک خوبصورت

مصوراتی تصویر جو1965ء میں ایک مصور نے بنائی تھی اس کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کیا۔عرب کمیونٹی کی طرف سے مسجد کے لئے اسماء الحسنیٰ پر مبنی ان ناموں کی خوبصورت حروف میں نقاشی کو ایک بڑے فریم میں پیش کیا۔اس کی تیاری میں ایک سال کا عرصہ لگا۔

**18اپریل**۔احمدیہ انجمن برلین، جرمنی کے احباب اور دوستوں کے لئے حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا سربراہ ''بین الاقوامی احمدیہ تنظیم لاہور'' کی آمد انتہائی خوشی کا باعث ہوئی۔آپ کا قیام 10 سے 18 اپریل تک رہا۔حضرت امیر ایدہ اللہ نے برلین مسجد کی بیرونی مرمت اور تزئین کے ایک بڑے پراجیکٹ کی تکمیل کی تقریب کا افتتاح کیا۔اس نہایت مبارک تقریب میں مقامی اور برلین کے دیگر شہروں کے لوگ شامل ہوئے۔انگلستان سے صدر احمدیہ انجمن لندن، لارڈ شاہد عزیز صاحب، محترم میاں اظہر الدین، ووکنگ (انگلستان) سے، خالدہ بداللہ صاحبہ پارہ ماریبو، سرینام سے اور مدثر عزیز صاحب ہیگ، ہالینڈ سے شریک ہوئے۔انہوں نے جملہ انتظامات میں بھرپور حصہ لیا اور اس کے انعقاد میں ان کی وجہ سے کافی سہولت رہی۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

## ڈنمارک سے طلباء کا ایک وفد

**18اپریل**۔ستر (70) طلباء کا ایک گروپ ڈنمارک سے اساتذہ کے ہمراہ مسجد آیا۔ان کو مسجد کے بارے میں تفصیل سے تعارف پیش کیا گیا اور پھر سوال و جواب کا دلچسپ سلسلہ بھی ہوا۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مختصر خطاب میں طلباء کو اسلام کے دیگر مذاہب کے بارنے میں تعلیمات کا ذکر کیا اور طلباء کو نصیحت کی کہ وہ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تا کہ وہ ایک دوسرے کو بہتر طریق پر جان سکیں اور اس سے باہمی تعلقات میں بھی بہتری آئے گی۔

## ہیگ ہالینڈ میں عظیم الشان مسجد کا افتتاح

**20-22اپریل**۔لاہور احمدیہ انجمن، ہیگ، ہالینڈ کی ابتدا پول خرو لینڈ سٹریٹ، ہیگ مسجد قبلتین کی تعمیر سے ہوئی۔ڈاکٹر رابرٹ محمد امین صاحب کی صدارت میں جماعت اور ان کے سرگرم ممبران نے ایک بڑے منصوبہ پر کام شروع کیا۔اور ایک بڑے چرچ کی عمارت کو خریدا گیا۔اس وسیع جگہ میں کانفرنس ہال، لائبریری، باورچی خانہ اور کھانے کے لئے ہال، کار پارکنگ اور تعلیمی پروگراموں کے لئے کافی جگہ کی گنجائش ہے۔یہ مسجد دیگر سہولتوں کے لحاظ سے ہالینڈ میں جماعت احمدیہ لاہور کی سب سے بڑی مسجد ہوگی۔اس موقع پر ہالینڈ کی دیگر جماعتوں کے نمائندوں اور ممبران، برلین شہر کے میر اور دیگر اہم شخصیات موجود تھے۔حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب، سربراہ بین الاقوامی ''لاہور احمدیہ تحریک'' نے مسجد کا افتتاح کیا۔اس تقریب کے لئے جماعت ہیگ نے نہایت عمدہ انتظامات کئے تھے جو ہر لحاظ سے تعریف کے لائق تھے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ''لاہور تحریک احمدیہ'' کے مقاصد اور ہیگ جماعت کی پرخلوص کوششوں کی تعریف کی اور منصوبہ کی تکمیل کے لئے دعا فرمائی۔اس موقع پر بین الاقوامی کنونشن کا بھی اہتمام تھا۔جس میں ہالینڈ سے مختلف جماعتوں سے آئے ہوئے مقررین نے اسلام اور تحریک احمدیت کے بارے میں تقاریر کیں۔آخر میں ہیگ جماعت کے صدر ڈاکٹر رابرٹ محمد امین صاحب نے جماعت کے ان افراد کو جنھوں نے جماعت اور مسجد کی تعمیر میں نہایت محنت اور اخلاص سے نمایاں کارکردگی کی ان کو تمغے عطا کئے۔ان میں امام مسجد برلین برادرم عامر عزیز صاحب کو بھی شامل کیا گیا۔

**22اپریل**۔راٹرڈیم جماعت نے بھی معراج النبیؐ کے سلسلہ میں ایک بابرکت تقریب کا اہتمام کیا۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلعم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ذریعہ جو عزت آفزائی اور روحانی اور تاریخی عظمت عطا کی گئی اس پر روشنی ڈالی اور اس سے متعلق اسلام کو آئندہ ملنے والی کامیابیوں کی تفصیل بھی بتائی۔اس موقع پر صدر راٹرڈیم جماعت نے مسجد برلین کے لئے عطیہ جات کی اپیل کی۔اور 5000 یورو کے عطیہ جات اکٹھے ہوئے۔راٹرڈیم جماعت اس سے پیشتر بھی برلین مسجد کے لئے مالی اور عملی خدمت رضاکارانہ طور پر کرتی رہتی ہے۔جس میں محترم سنتو صاحب کی دلچسپی قابل ذکر ہے۔اس عطیہ کے لئے امام مسجد برلین نے شکریہ ادا کیا۔

## فرینکفوٹ میں ظفر اقبال صاحب مرحوم کی فیملی سے ملاقات

**23اپریل**۔امام مسجد، برلین محترم عامر عزیز صاحب اپنی چھوٹی بیٹی سلینہ عزیز صاحبہ کے ہمراہ دو روز کے لئے فرینکفورٹ تشریف لے گئے

(بقیہ صفحہ نمبر26)

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

# نوع انسان سے ہمدردی کرو

’’اس بات کو بھی خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے دو حکم ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ عبادات میں۔ اور دوسرے نوع انسان سے ہمدردی کرو۔ اور احسان سے یہ مراد نہیں کہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں ہی سے کرو بلکہ کوئی ہو، آدم زاد ہو اور خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی ہو۔ مت خیال کرو کہ وہ ہندو ہے یا عیسائی۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا انصاف اپنے ہاتھ میں لیا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ تم خود کرو۔ جس قدر نرمی تم اختیار کرو گے اور جس قدر فروتنی اور تواضع کرو گے اللہ تعالیٰ اس قدر تم سے خوش ہوگا۔ اپنے دشمنوں کو تم خدا تعالیٰ کے حوالے کرو۔ قیامت نزدیک ہے تمہیں ان تکلیفوں سے جو دشمن تمہیں دیتے ہیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تم کو ان سے بہت دُکھ اُٹھانا پڑے گا کیونکہ جو لوگ دائرہ تہذیب سے باہر ہو جاتے ہیں ان کی زبان ایسی چلتی ہے جیسے کوئی پل ٹوٹ جاوے تو ایک سیلاب پھوٹ نکلتا ہے۔ پس دیندار کو چاہیے کہ اپنی زبان کو سنبھال کر رکھے۔‘‘

(ملفوظات جلد 9)

☆☆☆☆☆